

نَصْرُ اللَّهِ أَمْرٌ أَسْمَعُ مَنَّا حَلَّتْ بِهَا الْخِطَابَةُ حَتَّىٰ يَبْلُغَهَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الاجاعة الحديث



بانی

محدث العصر حافظ زبیر عثمانی رحمہ اللہ

شمار نمبر 142 تا 144 | رمضان تا ذوالقعدہ 1438ھ | جون تا اگست 2017ء

اہل بدعت کی پہچان: حدیث و اہل حدیث سے بغض
امام بقیہ بن ولید (متوفی ۱۹۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے امام اوزاعی (متوفی: ۱۵۷ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اے ابو محمد تمہارا ایسے لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے نبی ﷺ کی احادیث سے بغض رکھتے ہیں۔ میں نے کہا: یہ تو بڑے لوگ ہیں۔ فرمایا: کوئی بھی بدعتی ایسا نہیں جسے تم اس کی بدعت کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے مروی کوئی حدیث سناؤ مگر وہ ضرور اس حدیث سے بغض رکھے گا۔“ (الطیوریات لأبی طاهر السلفی ۴/۱۳۸۷، وسندہ حسن)
امام احمد بن سنان الواسطی (المتوفی: ۲۵۹ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا: ”دنیا میں کوئی بدعتی ایسا نہیں ہے جو کہ اہل الحدیث سے بغض نہیں رکھتا۔ جب آدمی بدعت اختیار کرتا ہے تو حدیث کی حلاوت (مٹھاس) اس کے دل سے نکل جاتی ہے“
(معرفة علوم الحديث للحاکم ص ۴ وسندہ صحیح)



تحقیق و تنقید | فضائل مناقب | توثیق الاحکام | فقہ الحدیث | آئن الحدیث

مکتبۃ الحدیث پاکستان



جامعہ اہل الحدیث حضور ضلع ٹنک

تعاون

- عرصہ دراز سے محدث العصر حافظ زبیرؒ کی نئی زندگی دین حنیف کی خدمت میں مصروف عمل رہا ہے۔
- جامعہ سے اب تک بیسیوں حفاظ علماء اور محققین فیض یاب ہو چکے ہیں جو ملک و بیرون ملک دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔
- جامعہ ہذا محدث العصرؒ کی وفات کے بعد اسی منہج کے مطابق علمی فروغ کے لیے کوشاں ہے۔

ادارے میں درج ذیل شعبہ جات قائم ہیں

تحقیق القرآن کم سے کم مدت میں پختہ منزل کے ساتھ قرآن مجید حفظ کرایا جاتا ہے اور بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ شعبہ ماہر اساتذہ کی نگرانی میں کامیابی کی طرف گامزن ہے۔

تجوید القرآن جس میں اصول تجوید کے مطابق مشق، حد درجہ منزل پختہ کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

درس نظامی پھر سالہ کورس، وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب کے عین مطابق ہے۔ عصری علوم کا ذوق رکھنے والے ذہین و فطین طلباء کی بھرپور حوصلہ افزائی اور مکمل راہنمائی کی جاتی ہے۔

جامعہ عائشہ للذہبات جس میں طالبات کی تعلیم و تربیت کے لیے چار سالہ درس نظامی کا کورس ہے۔

تحقیق و تصنیف اس شعبے میں اہم موضوعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں تحقیق و تنقیح کے بعد کتابیں تصنیف کی جاتی ہیں جو ایک عرصے سے خوش السلوبی کے ساتھ یہ فیروزہ سرانجام دے رہا ہے۔

لائبریری ملک کی چند اہم اور بڑی لائبریریوں میں اس کا شمار ہوتا ہے جس میں حدیث، تفسیر، اسماء الرجال، تاریخ، ادب اور دیگر کئی موضوعات پر نادر مکتب موجود ہیں۔ جگہ کی تنگی کے باعث لائبریری کو مزید وسعت دی جا رہی ہے، دوسرے فلور کی تعمیر کا آغاز عنقریب ہو رہا ہے جو یقیناً احباب کی توجہ کا حامل ہو جائیگا۔ بعض موضوعات پر ریسرچ کرنے کے لیے دور دراز سے آنے والے ریسرچرز کی رہائش اور کھانا ادارے ہی کے ذمے ہے۔

دارالافتاء روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ خط کتابت، انٹرنیٹ اور فون کے ذریعے سے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض حضرات نفس نفیس حاضر ہوتے ہیں اور قلمی اطمینان کے بعد واپس جاتے ہیں۔

اشاعت الحدیث خالص کتاب و سنت کی دعوت پر مبنی ہے جو عرصہ بارہ (۱۲) سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ متلاشیان حق کے لیے مشعل راہ ہے اور بے شمار لوگ اس کے ذریعے سے دعوت حق قبول کر چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس رسالے کو ہر سو عام کیا جائے اور اس کی مسلسل اشاعت کے لیے بھرپور تعاون کیا جائے۔

حافظ شہیر محمد الاثری مدیر جامعہ اہل الحدیث حضور
0300-5288783

Account No: 0010016983950020 Branch Code: 0105 Allied Bank Hazro

تَضَرَّ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَنَاحِدِيثًا فَحَفَظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ

إشاعة الحديث

مضد

شماره: 05

رمضان تا ذوالقعدہ 1438ھ | جون تا اگست 2017ء

جلد: 13

بانی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ

معاون مدیر

نصیر احمد کاشف

مدیر

حافظ ندیم ظہیر

قیمت

بذریعہ ایزی پیسہ

ID Card No:

37405-0348363-7

Mobile:

0301-4112248 نصیر احمد کاشف

30 روپے

500 روپے

مع حصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث (پرائیویٹ) لاہور، پاکستان

✉ ishaatulhadith@gmail.com

🌐 ishaatulhadith.com 📘 ishaatulhadith

☎ 0300-8663828

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ



مجلس ادارت

پروفیسر ڈاکٹر خالد نضر اللہ

پروفیسر محمد حسن بک بنہر

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

ابو عبد الرحمن محمد ارشد کمال

ابوالقاسم نوید شوکت

ابوصفی عبد الرحمن اثری

محمد سرور عاصم

ابو احمد وقاص زبیر

حافظ فخران الہی

ابو خالد عبد المجید

اسی شمارے میں



- | | | |
|----|--------------------------------|---------------------------------------------------------|
| 3 | حافظ فخران الہی | دس مضبوط احکام |
| 10 | حافظ فخران الہی | سنت کے سائے میں |
| 13 | ابوبکر خالد | الاستواء قرآن وحدیث کی روشنی میں |
| 21 | ابوالاحمد وقاص زبیر | عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت واہمیت |
| 31 | ابوالقاسم نوید شوکت (آخری قسط) | مشاہرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سلف کا موقف |
| 36 | پروفیسر محمد حسن کنہر | فتنہ انکار حدیث اور عزیز اللہ بوہیو (قسط: ۷) |
| 54 | ابوالاسجد محمد صدیق رضا | خليفة والی حدیث اور رجسٹرڈ جماعت (قسط: ۱) |
| 74 | ابو عبد الرحمن محمد ارشد کمال | سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ |
| 87 | حافظ فخران الہی | دور وشن ستارے |
| 89 | محمد ارشد کمال | القول القوی فی نقد الرجال للشیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ |
| 99 | حافظ سعید الرحمن ہزاروی | اتباع سنت: قبولیت عمل کی لازمی شرط (قسط: ۱) |

دس مضبوط احکام

﴿فَلِذَلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ ۚ وَقُلْ أَمِنْتُ بِمَا آتَاكَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾

”سو تو اسی کی طرف پھر دعوت دے، اور جیسے تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر ثابت رہو، اور ان کی خواہشوں کی پیروی مت کرنا، اور کہو کہ اللہ نے جو بھی کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے بیچ عدل کروں، اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے بیچ کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہمیں آپس میں جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

(الشوریٰ: ۱۵)

لغوی وضاحت:

فادع: دعا یدعو سے امر کا صیغہ ہے، مراد ہے کہ آپ بلائیے، دعوت دیجیے۔
واستقم: استقام یتستقیم سے امر کا صیغہ ہے۔ بالکل سیدھے راستے کو کہا جاتا ہے، اسی لیے راہ حق کو صراط مستقیم کہا گیا، انسان کی استقامت یہ ہے کہ سیدھے راستے پر جم جائے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۳۰) اور ﴿فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ﴾ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۶) میں یہی لزوم اور ثبات مراد ہے۔ (دیکھئے: مفردات راغب ص ۴۱۸)

أهواء هم: أهواء جمع ہوی ہے ہوی بھوی سے مراد نفس کا میلان ہے، اکثر نامناسب شے کی طرف میلان پر لفظ ہوی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کو ہوی اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے مریض کو جہنم میں گرا دیتی ہے۔



عدل: عدل يعدل عدلاً ظلم کی ضد، انصاف کرنا، حق پر مبنی فیصلہ کرنا۔
 حجة: ایسی واضح دلیل جس سے فریقین کے مابین فیصلہ ہو سکے یعنی جس دلیل سے
 مخالفین میں سے کسی ایک کے دعویٰ کی تصدیق کی جاسکے۔ (مفردات الراغب ص ۱۰۷)
 فوائد: * یہ آیت کریمہ دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے۔ ہر جملہ دوسرے سے الگ
 ہے۔ اس طرح دس مستقل احکام دیے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں آیت الکرسی کے سوا کوئی
 دوسری آیت اس کی نظیر نہیں۔ کیوں کہ وہاں بھی الگ الگ دس احکامات ہیں۔
 (تفسیر ابن کثیر ۴۹۵/۵ تحقیق عبدالرزاق المحدثی)

* ﴿فَلَيْذِلِكَ فَادْعُ﴾: یہاں لام بمعنی ”إلى“ ہے یعنی إلی ذلک (اس دین کی
 طرف) مراد یہ ہے کہ جو شریعت وحی کے ذریعے ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کی
 وصیت ہم نے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کی تھی جیسا کہ آیت سابقہ میں مذکور ہے،
 آپ بھی اسی شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیجیے۔

یاد رہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشمول نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی
 اور اصولی دعوت ایک ہی تھی، یعنی توحید الہ العالمین۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ((الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِنْ عَالَمٍ، وَأُمَمَاتُهُمْ شَتَّى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

یعنی انبیاء آپس میں علاقائی بھائی ہیں، ان کی مائیں یعنی فروع مختلف ہیں جبکہ ان کا دین
 ایک ہی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۶۵)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان جو قدر مشترک بتائی، وہ توحید ہی
 ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ يَا هَذِهِ الْأَكْثَرُ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ
 إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا
 فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ اے اہل کتاب آؤ، اس بات کی طرف جو ہمارے اور
 تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی شے کو
 بھی شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے کچھ لوگ کچھ کو اللہ کے علاوہ رب بنائیں گے۔ اگر وہ

(اہل کتاب) پھر جائیں تو کہہ دینا کہ گواہ رہو اس بات پر کہ ہم مسلمان ہیں۔ (آل عمران: ۶۴)
 نیز فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾
 اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس کی دعوت یہ تھی کہ) تم اللہ کی عبادت کرو
 اور طاغوت سے بچ کر رہو۔ (النحل: ۳۶)

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اپنی اصولی اور بنیادی دعوت میں متفق تھے اگرچہ فروعی
 تعلیمات حالات و واقعات کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو اسی
 متفقہ دعوت تو حید کا حکم دیا جا رہا ہے۔

* ﴿وَأَسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾: یعنی آپ دعوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تقویٰ اور خشیت
 الہی سے سرشار رہیے، مکارم اخلاق اور دعا و مناجات کے ذریعے اپنے آپ کو سیدھا رکھئے اور
 اس دعوت الی اللہ کے مشن پر ڈٹے رہیے، کیونکہ دعوت کے مقاصد صبر و استقامت کے بغیر
 حاصل نہیں ہو سکتے، اسی کا نبی کریم ﷺ کو کئی دیگر مقامات پر بھی حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد
 باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزِّ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ﴾
 پس آپ صبر کیجیے جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب) جلدی مت
 طلب کیجیے۔ (الأحقاف: ۳۵)

نیز فرمایا: ﴿فَأَسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾
 (اے پیغمبر) تمہیں جس بات کا حکم دیا گیا، اس پر تم بھی اور تمہارے ساتھ جو دوسرے لوگ
 توبہ کر چکے، ڈٹے رہو اور حد سے آگے مت بڑھنا، یقیناً تم جو عمل کر رہے ہو، وہ خوب دیکھنے
 والا ہے۔ (ہود: ۱۱۲)

* ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾: یہاں ضمیر کا مرجع وہ مشرکین مکہ بھی تھے جن پر آپ کی
 دعوت تو حید گراں گزرتی تھی اور وہ وارثین کتب سابقہ بھی تھے، جو فقط بغاوت و عداوت کی بنا
 پر رسول کریم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ آپ کو سمجھایا گیا کہ آپ ان کی خواہشات
 پر نہ چلیں کیونکہ ان کی دیرینہ خواہش یہی ہے کہ جس طرح وہ خود دین سے بغاوت کر کے



گمراہی اور جہنم کے راستے پر چل رہے ہیں، اسی طرح آپ کو اور آپ کے تابعین کو دین حق سے پھیر کر کفر و ضلالت کے راستے پر ڈال دیں، قرآن کریم نے ان کی متعدد دلی خواہشات کا تذکرہ کیا ہے، ان میں میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيْدُ هُنُونَ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ (القلم: ۹)

(۲) ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّمَّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں تمہارے ایمان کے بعد پھیر کر کافر بنادیں۔ ایسا وہ حق واضح ہو جانے کے بعد کرتے ہیں، (صرف) ان کے دلوں میں حسد کی وجہ سے۔ (البقرة: ۱۰۹)

(۳) ﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِنَتِكُمْ فَيُبْسِلُونَكُمْ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَاحِدَةً﴾ کافر لوگوں کی خواہش ہے کہ اگر تم اپنے اسلحے اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک ہی دفعہ دھاوا بول دیں۔ (النساء: ۱۰۲)

(۴) ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفَئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں جبکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو برا لگے۔ (الصف: ۸)

(۵) ﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ اور آپ سے یہودی اور عیسائی ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کریں۔ (البقرة: ۱۲۰)

مذکورہ بالا دلائل سے واضح ہوا کہ کفار خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین مکہ، ہر لحظہ ان کی یہی خواہش تھی کہ کسی بھی طریقے سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو اس خیر سے محروم کر دیں جو وحی الہی کے ذریعے ان پر برس رہی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو دو ٹوک انداز میں تنبیہ کی گئی کہ آپ اپنے مشن پر ڈٹے رہیے اور ان کی خواہشات پر ہرگز دھیان

مت دیجیے۔

* ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾: اور آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب اتاری میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔

اس فرمان میں یہودیوں کے اس رویے کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا، جو وہ کہتے تھے کہ ﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ یعنی ہم بعض کتابوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں..... (النساء: ۱۵۰)

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بری خصلت کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ لَا نَكْفُرُوْنَ بِمَا وُرِىَّاكَ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں جو کچھ ہم پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا وہ انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (البقرة: ۹۱)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ آپ اعلان کر دیجیے کہ میں ہر اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جسے اللہ نے نازل کیا۔ خواہ وہ کتاب کوئی بھی ہو، تو رات ہو یا انجیل، زبور ہو یا صحف ابراہیم، میں تمہاری طرح تکذیب نہیں کرتا جس طرح تم بعض کتابوں کی تصدیق اور بعض کتابوں کی تکذیب کرتے ہو۔ (تفسیر طبری ۸۴۷/۹)

* ﴿وَاٰمَرْتُ لِعٰدِلٍ بَيْنَكُمْ﴾ اور مجھے حکم یہ ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اس آیت میں گویا نبی کریم ﷺ کے لیے پشین گوئی ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب اللہ اپنے نبی کو غلبہ اور سلطہ عطا فرمائے گا کہ خطا طین یعنی یہود بھی اپنے فیصلے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے، اور آپ تب بھی یہودیوں کی دشمنی اور عداوت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے فرمائیں گے۔

* ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ﴾ ہمارا رب بھی اور تمہارا رب بھی اللہ ہی ہے۔



مراد یہ ہے کہ وہ ہم سب کا رب ہے، تم کسی شے میں ہم سے زیادہ اس کے حقدار تو نہیں۔ (تفسیر السعدی ۶/۶۰۳)

اور جب ہم دونوں ہی اس کی ربوبیت پر متفق ہیں تو پھر اس کے نازل کردہ بعض احکام کو مان کر بعض کو چھوڑ کیوں دیتے ہو؟

* ﴿لَنَّا أَعْمَلُنَا وَ لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔

یعنی ہم تم سے بری ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَ لَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلٌ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَ أَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (یونس: ۴۱) اور وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیں کہ میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل، میں جو عمل کرتا ہوں تم اس سے بری ہو اور تم جو عمل کرتے ہو اس سے میں بری ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ۵/۴۹۵)

یہاں غلطی پر تنبیہ اور دھمکی کا انداز ہے کہ جب تم ہم پر نازل ہونے والی کتاب کا انکار کرتے ہو اور اپنے ہاں نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑتے ہیں۔ اس کی عدالت میں ہم اپنے اعمال لے کر پیش ہو جائیں گے اور تم اپنے اعمال لے کر پیش ہو جانا۔ (دیکھئے تفسیر ابن عاشور ۲۵/۱۳۰)

* ﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا﴾ ہمارے بیچ کوئی جھگڑا نہیں۔

حجت اصل میں جھگڑے کے دوران کسی ایک فریق کی طرف سے دی جانے والی دلیل کو کہتے ہیں، جس سے اس کا پلڑا مخالف پر بھاری ہو جاتا ہے۔ چونکہ ایسی دلیل عین تنازع اور جھگڑے کے دوران دی جاتی ہے، اس لیے لفظ حجت بول کر وہی جھگڑا مراد لیا گیا ہے۔

جب کہ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ قَالَ: لَا خُصُومَةَ“، لَا حُجَّةَ سے مراد یہاں لَا خُصُومَةَ ہے یعنی کوئی جھگڑا نہیں۔

(تفسیر الطبری ۹/۸۴۸ و سندہ حسن)

علامہ ابن عاشور فرماتے ہیں: اس جملے سے مراد یہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اب

جھگڑے کو باقی رکھنا فضول اور عبث ہے۔ اس جملے کا اس طرف اشارہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہودی اب تکبر اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں۔ لہذا جھگڑا کرنا بے فائدہ ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ دلائل و براہین کے ساتھ یہودیوں سے مباحثہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ علمی مجادلہ تو رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ کیا، بلکہ خود قرآن نے ان کے ساتھ دلائل و براہین کی بنیاد پر مکالمہ کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (العنکبوت: ۴۶) یعنی اہل کتاب سے جھگڑامت کرو مگر ایسے انداز سے جو بہترین ہو۔ (تفسیر ابن عاشور ۲۵/۱۳۰)

چنانچہ اس آیت سے علمی محاکمے اور مجادلے کا جواز بالکل واضح ہے۔

البتہ جب دلائل و براہین سے حجت تمام ہو جائے تو خواہ مخواہ میں جھگڑنا فضول ہے۔

* ﴿اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ اللہ ہمیں آپس میں جمع کرے گا۔

یہاں منکرین و کمذبین کو آخرت کی فکر اور حساب کا خوف دلایا جا رہا ہے کہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب تمہارے اور ہمارے اختلاف کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔

اس دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾

کتنے ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا چاہیں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (الحجر: ۲)

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ لِيَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ

مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ اور جس دن ظالم اپنے دونوں ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹے گا، کہے

گا کاش! میں رسول کا راستہ اختیار کر لیتا..... (الفرقان: ۲۷)

چنانچہ اہل کتاب کو اس دن کی ہولناکیاں یاد کرائی جا رہی ہیں۔

* ﴿وَالْبَلَاءُ الْمُصِيبُ﴾: اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میرے خیال میں مقام کی مناسبت

سے اس جملہ کی گہرائی کو سمجھنے کے لیے سورۃ الغاشیہ کی دو آیات ملا لینا کافی ہے، جہاں اللہ

رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الْكَيْدَ إِذَا بَاهُهُ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُ﴾

یقیناً انھوں نے لوٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے، پھر ان کا حساب لینا بھی ہماری ہی ذمہ

داری ہے۔ (الغاشیہ: ۲۵، ۲۶)



ترجمہ: حافظ فرحان الہی

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

سنت کے سائے میں

برائیوں سے روکنا ایمان کا حصہ ہے

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

حَدَّثَنِي عَمْرُو النَّاقِدُ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمُسَوَّرِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُونَ، وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةٌ خَرْدَلٍ)).

ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں تھا، جسے اللہ نے اپنی امت میں بھیجا ہو، مگر اس کی امت میں سے اس کے کچھ حواری اور ساتھی ہوا کرتے تھے، جو اس کی سنت کو پکڑتے، اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے، پھر ایسا ہوا کہ ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے، اور جو کرتے تھے اس کا حکم انہیں دیا ہی نہیں جاتا تھا، پس جس نے ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کیا، وہ مؤمن ہے، اور جس نے ان کے خلاف زبان سے جہاد کیا وہ مؤمن، اور جس نے

ان کے خلاف اپنے دل سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے، اس کے بعد ایمان میں سے ایک رائی کا دانہ بھی نہیں بچتا۔

تخریج:

صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الإیمان، رقم الحدیث (۵۰)

فقہ الحدیث:

۱) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کی امت میں اس کے کچھ نہ کچھ حواری موجود ہوتے تھے، اور حواری دراصل رسولوں کے مددگار، انبیاء کے خاص اور چنیدہ لوگ ہوتے ہیں، جو ہر عیب سے پاک ہوتے ہیں، یہی وہ مجاہدین ہیں جو نبی کے بعد اس کی خلافت کے اہل ہوتے ہیں، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہمارے رسول، خاتم النبیین ﷺ کے حواری تھے۔

۲) یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس سنت کا حکم دیں اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

۳) نیز یہ حدیث سنت کریمہ کی حجیت پر دلیل ہے، خواہ وہ سنت قولی ہو، فعلی یا تقریری۔

۴) اسی طرح یہ حدیث احکام رسول ﷺ کی اقتدا کی فرضیت پر بھی دلیل ہے، اقتدا سے مراد قرآن و سنت کی پیروی ہے اور جو آدمی بھی قرآن و سنت کی طرف بلائے اس کی بات کو قبول کیا جائے۔

۵) یہ حدیث رسولوں کے اصحاب کی فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہے، خاص طور پر ہمارے رسول ﷺ کے اصحاب، کیوں کہ انہوں نے آپ ﷺ کی سنت کو لیا، آپ کے اوامر کی اقتدا کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔



۶) اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں اہل بدعت اور فاسق لوگ وجود میں آئیں گے، چاہے ان کی تعداد زیادہ ہی ہو۔

۷) یہ حدیث تقاضا کرتی ہے کہ ریاکاری، بدعات اور معصیت کے کام چھوڑے اور ان سے دور رہا جائے، اور کتاب و سنت کی اتباع کی جائے اور اس کی طرف دعوت دی جائے۔

۸) اس حدیث سے عقیدے کا یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی و بیشی ہوتی ہے، اور کبھی تو ایمان اس قدر کم ہو جاتا ہے کہ رائی کے دانے کے بقدر رہ جاتا ہے، اس عقیدے کے بالمقابل وہ آدمی صریح غلطی پر ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ انبیائے کرام کا ایمان اور امت کے فاسق و فاجر لوگوں کا ایمان ایک جیسا ہے، ایسے لوگوں سے اللہ ضرور پوچھے گا۔

۹) یہ حدیث جہاد کی مختلف اقسام کی وضاحت بھی کرتی ہے، چنانچہ جہاد کبھی تو شمشیر و نشان کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی زبان و قلم کے ساتھ، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کو دل میں برا سمجھا جائے۔

۱۰) حدیث میں اس آدمی کے خارج از ایمان ہونے کی دلیل بھی موجود ہے جو برائی کو دل سے برا نہیں سمجھتا، اور نہ ہی ہاتھ یا زبان سے اس کے خلاف کوئی اقدام کرتا ہے، چنانچہ اگر کوئی آدمی برائیوں کو محبوب سمجھے، خود ساختہ قوانین کو قرآن و سنت کے مقابلے میں نافذ کرے، اور کفار و مشرکین کے ساتھ دوستی رکھے، ایسے آدمی کا حکم کس قدر خطرناک ہو گا۔

۱۱) یہ حدیث محمد کریم ﷺ کی ختم نبوت پر بھی واضح دلیل ہے، کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا، نہ کوئی رسول۔

۱۲) حدیث میں جہاد کی تمام تر انواع و اقسام کی فضیلت پر بھی دلیل موجود ہے۔

”الاستواء“ قرآن وحدیث کی روشنی میں

ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام اختلافات میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین گامزن رہے اور یہی طریقہ ایک مسلمان کی نجات وفلاح کے لیے ناگزیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ﴾ ”پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹاؤ
اگر اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔“ (النساء: ۵۹)

جب بھی قرآن وحدیث کا فیصلہ آجائے تو مومن بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی راہ فرار نہیں ہے، اسے ہر حال میں قرآن وحدیث کے آگے جھک جانا چاہیے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾

”اور کسی مومن مرد اور عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو انھیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا۔“ (الاحزاب: ۳۶)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا گمراہی ہے، خواہ یہ گمراہی عقائد میں ہو یا مسائل میں۔ بعض لوگوں نے عقائد میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ”الاستواء علی العرش“ یعنی اللہ عرش پر مستوی ہے، اس کا انکار کیا۔ لیکن یہ انکار قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں باطل اور مردود ہے۔



استوی کا مفہوم

قرآن پاک میں ”استوی“ کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱: اگر کسی حرف سے متعدی نہیں ہے تو کمال و تمام کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ﴾ ”اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچا اور (عقل و شعور میں کامل اور) پورا طاقتور ہو گیا۔ (القصص: ۱۴)

۲: اگر حرف ”علی“ کے ذریعے متعدی ہے تو ”علا“ اور ”ارتفع“ کے معنی میں استعمال ہوگا، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْحُجْنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾ ”رحمن عرش پر مستوی ہوا۔“ (طہ: ۵)

۳: اگر ”الی“ کے ساتھ متعدی ہو تو اس کے دو معنی ہیں۔

(۱) پہلا معنی: قصد کے معنی میں اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہوگا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ﴾ ”پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا“ (البقرة: ۲۹)

امام بغوی رحمہ اللہ نے بھی ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ﴾ کا معنی ”عَمَدَ إِلَى خَلْقِ السَّمَاءِ“ کیا ہے (تفسیر البغوی ۱/۱۰۱) یعنی اس نے آسمانوں کو تخلیق فرمانے کا قصد فرمایا۔

واضح ہو کہ یہاں ”استوی“ حرف ”الی“ سے ملا ہوا ہے اور حرف ”الی“ غایت اور انتہاء پر دلالت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ فعل (استوی) ایک ایسے معنی کی طرف منتقل ہو گیا جو حرف مقتدر یعنی ”الی“ کے بالکل مناسب ہے۔

(۲) ”اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ“ کا دوسرا معنی: ”اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ“

بمعنی ”ارْتَفَعَ إِلَى السَّمَاءِ“ ہے، مراد ”آسمان کی طرف چڑھنا اور بلند ہونا“ معروف

مفسر امام ابن جریر نے اسی معنی کو رائج قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر ۲۱/۴۳۹)

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس معنی کو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول قرار دیا ہے۔ (تفسیر بغوی ۱/۱۰۱)

اب یہاں ”اِسْتَوَاءٌ إِلَى السَّمَاءِ“ کا معنی ظاہر یعنی ”اِرْتَفَاعٌ إِلَى السَّمَاءِ“ مراد لیا گیا۔

قرآن مجید سے ”الاستواء علی العرش“ کے دلائل

۱: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ءَاْمَنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ﴾ ”کیا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان

میں ہے۔“ (الملک: ۱۵-۱۶)

تشریح: اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر یعنی عرش پر جلوہ گر ہے۔ (احسن البیان ص ۹۲۲)

۲: اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ ”وہ عرش کا مالک، اونچی شان والا ہے۔ (البروج: ۱۵)

تشریح: یعنی تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا

مستقر ہے جیسا کہ صحابہ و تابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ (احسن البیان ص ۹۷۱)

۳: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَذُبُّ الْاَكْمَرُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يُعْرِجُ الْيَوْمَ﴾ ”وہی آسمان سے زمین تک

(سارے) معاملے کی تدبیر کرتا ہے، پھر (وہ معاملہ) چڑھتا ہے اس کی طرف“ (الجمعة: ۵)

تشریح: آسمان سے جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل

فرماتا، یعنی تدبیر کرتا ہے اور زمین پر ان کا نفاذ ہوتا ہے.....

اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔

(احسن البیان ص ۶۷۶)



۴: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔“ (الرعد: ۲)

تشریح: اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محدثین کا یہی مسلک ہے۔ وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الہی میں تاویل کرتے ہیں، تاہم محدثین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ”اس کی مثل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔“ (الشوریٰ: ۱۱)

(احسن البیان ص ۴۰۸)

۵ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔“

(السجدة: ۴)

تشریح: یعنی ساری مخلوق سے الگ عرش پر ہے۔ بہت سی احادیث اور آثار و اقوال سے بھی اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا ثابت ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”سلف کا اس پر اجماع ہے۔“ (شرح حدیث النزول، ص: ۱۴۴)

حدیث مبارکہ سے ”الاستویٰ علی العرش“ کے دلائل

۱: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر چکا تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں ”وَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ“ جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے۔ اس نے لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، ح ۳۱۹۴، صحیح مسلم: کتاب التوبة،

باب في سعة رحمة الله ح ۲۷۵۱)

۲: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((يُنْزَلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا)) ہمارا پروردگار بلند و برکت والا ہر رات کو

اس وقت آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے، وہ کہتا ہے: کوئی مجھ سے دعا کرنے والا ہے؟..... (صحیح البخاری: ۱۱۴۵، صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرين: باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والاجابه فيه ح ۷۵۸)

۳: ایک طویل حدیث میں ہے کہ سیدنا معاویہ بن حکم سلمیؓ کی لونڈی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے دو سوال کیے:

(۱) ((أَيْنَ اللّٰه)) اللہ کہاں ہے؟

تو اس لونڈی نے کہا: ”فی السماء“ اللہ آسمان میں ہے۔

(۲) ((مَنْ أَنَا)) میں کون ہوں؟

تو اس لونڈی نے جواب دیا: ”أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ“ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

((فَإِنَّمَا مَوْمِنَةٌ)) کیونکہ یہ مومنہ ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب

تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من اباحه ح ۵۳۷)

۴: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پردے کی آیت ام المؤمنین زینب بنت

جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی اور اس دن آپ نے روٹی اور گوشت کے ولیمہ کی

دعوت دی، زینب رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں۔

”وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ أَنْكَحَنِي فِي السَّمَاءِ“

اور کہتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ نے آسمان پر کرایا تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب وکان عرشه علی الماء ح ۷۴۲۱)

اس کے علاوہ دیگر احادیث صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر

مستوی ہونا ثابت ہے۔



سلف صالحین اور ”الاستوی علی العرش“

۱: صاحب شرح عقیدہ الطحاوی نے لکھا:

قال الشيخ رحمه الله: هَذَا الْكَلَامُ هُنَا، لِأَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ، ذَكَرَ بَعْدَ ذَلِكَ غِنَاءَ سُبْحَانَهُ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُونَ الْعَرْشِ، لِيُبَيِّنَ أَنَّ خَلْقَهُ لِلْعَرْشِ وَاسْتِوَاءَهُ عَلَيْهِ، لَيْسَ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهِ بَلْ لَهُ فِي ذَلِكَ حِكْمَةٌ اقْتَضَتْهُ.

”شیخ نے کہا: یہ کلام یہاں (اس لیے) لایا گیا ہے کہ جب عرش اور کرسی کا ذکر کیا تو اس کے بعد ذکر کیا کہ وہ عرش اور مادون العرش سے مستغنی ہے، تاکہ وہ واضح کرے کہ بے شک اس کا عرش کو پیدا کرنا اور اس پر مستوی ہونا کسی حاجت اور ضرورت کے تحت نہیں بلکہ اس میں اس کی حکمت ہے جو اس کی مقاضی ہے۔ (شرح عقیدۃ الطحاوی ۲/ ۳۷۲)

۲: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: وَأَجْمَعَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْأُمَّةِ مِنْ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ فَوْقَ سَمَاوَاتِهِ عَلَى عَرْشِهِ عَلَيْهِ عَلَى خَلْقِهِ.

امت کے اسلاف کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

مزید لکھتے ہیں: وَهُوَ سُبْحَانَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ رَقِيبٌ عَلَى خَلْقِهِ مُهَيِّمٌ عَلَيْهِمْ مُطَّلِعٌ إِلَيْهِمْ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ مَعَانِي رُبُوبِيَّتِهِ. اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے اپنی مخلوق کا نگہبان اور محافظ ہے۔ ان کی ہر حالت سے مطلع ہے وغیرہ

اس کی ربوبیت کے معانی میں سے ہے۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص ۸۸-۸۹)

۳: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اوپر ہے، عرش پر مستوی ہے۔ تمام عالم پر قابض ہے، اس کے علم کے دائرے میں تمام چیزیں گھری ہوئی ہیں۔ اس کی طرف پاکیزہ باتیں اور عمل صالح چڑھتے ہیں۔

(غنیۃ الطالبین حصہ اول: آٹھواں باب: حق تعالیٰ جل مجدہ کی معرفت ص ۱۴۶)

۴: شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی نے فرمایا: ”وَأَنَّهُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى، اسْتَوَاءً يَلِيقُ بِعَظَمَتِهِ وَجَلَالِهِ“ اور بے شک وہ عرش پر مستوی ہوا اس طرح کہ جیسے اس کی عظمت اور جلال کے لائق ہے۔ (شرح کتاب التوحید ص ۲، از محمد بن عبد الوہاب)

اس کے علاوہ دیگر بے شمار محدثین اور سلف صالحین سے ”استوی علی العرش“ اللہ کا عرش پر مستوی ہونا ثابت ہے۔

(استواء علی العرش کے بارے میں یار لوگوں کا عقیدہ اور گمراہ فرے)

یار لوگ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اور اہل الحدیث اور سلف صالحین کے عقیدہ پر تنقید کرتے ہوئے اور قرآن وحدیث میں تاویلات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور استوی علی العرش کی نفی کرتے ہیں۔

یاد رکھیے! ان کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے باطل اور مردود ہے جیسا کہ پہلے قرآن واحادیث اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں دلائل گزرے ہیں۔

ایک مثال دے کر ان کے عقیدہ کو بیان کرتے ہیں۔

جیسا کہ ان یاروں نے اپنا عقیدہ خود بتایا ہے:

”ظاہر و باطن ہر جگہ اللہ ہی کا ظہور ہے“ (کلیات امدادیہ ص ۱۹)

یاد رہے کہ ہر جگہ کا عقیدہ صرف ان حضرات کا ہی نہیں بلکہ ان کا یہ عقیدہ وہی ہے جو سالمیہ، معتزلہ اور جہمیہ جیسے گمراہ لوگوں کا عقیدہ ہے۔

۱: سالمیہ کا عقیدہ: شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی: ۵۶۱ھ) ”سالمیہ“ کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”ان کا ایک گندہ عقیدہ یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ ہر جگہ ہے اور عرش اور دوسری جگہوں میں کوئی فرق نہیں۔“ (غنیۃ الطالبین حصہ اول ص ۲۲۵)

۲: معتزلہ کا عقیدہ: شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی: ۵۶۱ھ) معتزلہ کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اللہ عرش پر نہیں۔“ (غنیۃ الطالبین حصہ اول ص ۲۱۷)



۳: جہمیہ کا عقیدہ: شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی: ۵۶۱ھ) نے جہمیہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے ان کا ایک عقیدہ یہ بھی لکھا ہے: ”نہ اس کی کوئی مخصوص جگہ ہے“ (اور مزید لکھا کہ) ”نہ وہ عرش پر ہے۔“ (غنیۃ الطالبین حصہ اول ص ۲۱۴)

لہذا ثابت ہوا کہ جو عقیدہ سالمیہ، معتزلہ اور جہمیہ جیسے گمراہ لوگوں کا عقیدہ تھا وہی آج ان یا ر لوگوں کا ہے۔

تب تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) جس شخص نے کسی قوم سے مشابہت کی تو اس کا شمار انہی میں سے ہوگا۔ (سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱، حسن)

یاد رہے کہ اس گمراہ کن عقیدہ کا رد قرآن وحدیث اور سلف صالحین سے کیا گیا ہے۔
(۱) جیسا کہ سالمیہ کا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے ان کے عقائد بیان کرنے کے بعد ان کا رد کیا اور لکھا کہ ”حالانکہ قرآن حکیم میں ان کی تکذیب موجود ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ الرحمن عرش پر مستوی ہے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زمین پر مستوی ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور پہاڑوں کے بیچ یا کہیں اور ہے۔“ (غنیۃ الطالبین ص ۲۲۵)

(۲) اور جہمیہ جیسے گمراہ لوگوں کا رد امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ”کتاب التوحید والرد علی الجہمیۃ“ قائم کر کے کیا ہے۔

(۳) الحمد للہ! ان گمراہ لوگوں کے غلط عقائد کا رد قرآن واحادیث صحیحہ اور سلف صالحین کے منہج کے مطابق اہل حدیث کا بچہ بچہ ہر گلی کوچے میں کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔
ان شاء اللہ

نہ نخبِ اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت و اہمیت

الحمد لله رب العالمين ، حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه ، كما يحب ربنا ويرضى ، والصلاة والسلام على رسوله ونبيه صلى الله عليه وسلم و على آله وصحبه وسلم تسليماً مزيداً ، أما بعد:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی کمال رحمت کی بدولت اپنے بندوں کو اپنی رضا و خوشنودی کے بیش بہا مواقع نصیب فرماتا ہے تاکہ بندے ان میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور نیکیاں اور اطاعت کے کام بجالا کر اپنے گناہوں کی بخشش، اس کی رحمت و مودت اور بلندی درجات کا انعام پاسکیں، اب بندوں کو چاہیے کہ ان اوقات کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے تعلق کو اللہ مالک الملک سے مضبوط کریں اور سعادت اور کامرانی کا حصول ممکن بنائیں۔

انہی مواقع میں سے ایک عشرہ ذوالحجہ بھی ہے جس کی فضیلت و اہمیت اور احکام، قرآن و حدیث میں مختلف انداز سے بیان کیے گئے، اس کا سبب بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ السَّبَبَ فِي امْتِيازِ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ لِمَكَانِ اجْتِمَاعِ أُمَمَاتِ الْعِبَادَةِ فِيهِ وَهِيَ الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَالْحَجُّ وَلَا يَتَأْتِي ذَلِكَ فِي غَيْرِهِ“ عشرہ ذی الحجہ کے باقی ایام سے امتیاز کا ایک سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑی بڑی عبادات جمع ہو جاتی ہیں جیسے نماز، روزہ، صدقہ اور حج، عبادات کا یہ اجتماع باقی ایام میں نہیں ہوتا۔ (فتح الباری ۲/ ۴۶۰)

۱) اللہ تعالیٰ نے ان دس راتوں کی قسم کھائی ہے:

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وہو سبحانه يقسم بأمر على أمور وإنما يقسم بنفسه الموصوفة بصفاته وآياته المستلزمة لذاته وصفاته وإقسامه ببعض المخلوقات دليل على أنه من عظيم آياته“ . اللہ سبحانہ و تعالیٰ



بہت سے امور کے لیے دوسرے امور کی قسم کھاتا ہے اور کبھی وہ اپنی ذات مبارکہ کی قسم کھاتا ہے جو اس کی صفات عالیہ سے متصف ہے اور کبھی اپنی آیات کی جو اس کی ذات و صفات سے جڑی ہوئیں ہیں، اس کا اپنی بعض مخلوقات کی قسم کھانا اس بات پر دلالت کتا ہے کہ وہ مخلوق اس کی عظیم نشانیوں میں سے ہے۔ (التبیان فی أقسام القرآن لابن القيم ص ۱)

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ قسم کھاتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَ لَيْلٍ عَشْرٍ﴾

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔ (الفجر: ۱-۲)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”إن الليالي العشر اللاتي أقسم الله بهن: هن الليالي الأُول من ذي الحجة.“ اللہ تعالیٰ نے جن دس راتوں کی قسم کھائی ہے، یہ ذوالحجہ کی پہلی (دس) راتیں ہیں۔“ (تفسیر الطبری ۱۱ / ۵۳۰، وسندہ صحیح)

امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۱ھ) فرماتے ہیں:

”اس سے مراد ”عشر ذوالحجہ“ ہے۔“ (تفسیر الطبری ۱۱ / ۵۳۱، وسندہ حسن)

معروف سنی مفسر امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

”والصواب من القول في ذلك عندنا: أنها عشر الأضحى لإجماع الحجة من أهل التأويل عليه“ ہمارے نزدیک اس متعلق صحیح بات یہ ہے کہ ان (دس راتوں) سے مراد ذوالحجہ کی دس (راتیں) ہی ہیں کیونکہ تمام مفسرین نے اجماعی طور پر اس سے یہی دلیل پکڑی ہے۔“ (تفسیر الطبری: ۱۱ / ۵۳۱)

معروف محدث و مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

”والليالي العشر: المراد بها عشر ذي الحجة“ دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی دس (راتیں) ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱۴ / ۳۳۸)

امام ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۵ھ) فرماتے ہیں:

”أما الليالي العشر فهي عشر ذي الحجة هذا الصحيح الذي عليه جمهور المفسرين من السلف وغيرهم“ صحیح بات یہی ہے کہ دس راتوں

سے مراد ذوالحجہ کی دس (راتیں) ہیں۔ اسی پر جمہور اوائل مفسرین وغیرہ بھی ہیں۔

(لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف لابن رجب: ص ۲۶۰)

مزید فرماتے ہیں: ”وقد أقسم الله تعالى بلياليه، وهذا يدل على

فضيلة لياليه لكن لم يثبت أن لياليه ولا شيئاً منها يعدل ليلة القدر“

اللہ تعالیٰ نے اس (عشرے) کی راتوں کی قسم کھائی ہے جو کہ اس کی راتوں کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے لیکن یہ بات قطعاً ثابت نہیں کہ اس عشرہ کی تمام یا بعض راتیں لیلۃ القدر کے برابر ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: ”والتحقيق ما قاله بعض أعيان المتأخرين من العلماء

أن يقال: مجموع هذا العشر أفضل من مجموع عشر رمضان وإن كان

في عشر رمضان ليلة لا يفضل عليها غيرها۔ والله أعلم“

تحقیق شدہ بات یہی ہے کہ جو متاخرین میں سے کبار علماء نے کہی ہے کہ کہا جائے: یہ عشرہ

مجموعی طور پر رمضان کے (آخری) عشرے سے مجموعی اعتبار سے افضل ہے گو کہ رمضان

کے آخری عشرے میں ایک ایسی رات ہے جس کی فضیلت میں برابری کسی رات کو حاصل

نہیں۔ (لطائف المعارف لابن رجب ص ۲۶۷)

۲) نیک اعمال کی ترغیب:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَا الْعَمَلُ فِي

أَيَّامٍ [العشر] أَفْضَلُ مِنْهَا فِي هَذِهِ؟)) قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ:

((وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ))

”کسی دن کا عمل (اللہ تعالیٰ) کے ہاں ان (دس) دنوں کے عمل سے افضل نہیں“ صحابہ

رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا جہاد بھی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”جہاد بھی نہیں۔ مگر وہ شخص جو دشمنوں

سے لڑتے ہوئے اپنی جان و مال کی بازی لگا دی اور (ان میں سے) کسی چیز کے ساتھ

واپس نہ لوٹے۔“ (صحیح البخاری: ۹۶۹)



ایک دوسری روایت میں امام سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ عَمَلٍ أَزْكَىٰ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا أَعْظَمَ أَجْرًا مِنْ خَيْرٍ يَعْمَلُهُ فِي عَشْرِ الْأَضْحَىٰ)) قیل: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: ((وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ)) قَالَ: وَكَانَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ إِذَا دَخَلَ أَيَّامُ الْعَشْرِ اجْتَهَدَ اجْتِهَادًا شَدِيدًا حَتَّىٰ مَا يَكَادُ يَقْدِرُ عَلَيْهِ. اللہ عزوجل کے نزدیک کوئی عمل اس سے زیادہ پاکیزہ اور اجر کے لحاظ سے بڑا نہیں جو عشرہ ذوالحجہ میں کیا جائے۔“ کہا گیا: اللہ کے راستے میں جہاد بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے راستے میں جہاد بھی نہیں، سوائے اس شخص کے جو اپنی جان و مال لے کر نکلے پھر کسی شے کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔ قاسم بن ایوب (راوی) فرماتے ہیں: سعید بن جبیر رحمہ اللہ جب اس عشرہ میں داخل ہوتے تو اس قدر (عمل میں) محنت کرتے کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر کوشش کرتے۔ (سنن الدارمی):

۱۸۱۵، وسندہ حسن، انظر شرح مشکل الآثار للطحاوي: ۷/ ۴۱۶ ح ۲۹۷۰

۳) عشرہ ذوالحجہ کے روزے:

حنیدہ بن خالد کی زوجہ (صحابیہ) نبی ﷺ کی بعض ازواج سے بیان کرتی ہیں:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ،“

رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے (پہلے) نو دنوں کے روزے رکھتے۔

(سنن أبي داود: ۲۴۳۷، سنن النسائي: ۲۳۷۴، وسندہ صحيح)

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر اس طرح باب قائم کیا: ”باب في صوم العشر“

عشرہ ذوالحجہ کے روزے کا بیان۔

تنبیہ: ایک روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ“ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشرہ (ذوالحجہ) میں روزہ رکھتے

نہیں دیکھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَصُمْ الْعَشَرَ.“ نبی ﷺ عشرہ (ذوالحجہ) میں روزہ نہ رکھتے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۱۷۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

”وَهَذَا الْحَدِيثُ أَوْلَىٰ مَعَ مَا سَبَقَ ذِكْرُهُ مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ لَآنَ هَذَا مُثَبَّتٌ فَهُوَ أَوْلَىٰ مِنَ النَّافِي.“ یہ حدیث (حنیدہ بن خالد کے طریق والی) اور اس کے ساتھ جو (اس عشرے) سے متعلق پیچھے ذکر ہوا، اولیٰ اور رائج ہے اس حدیث سے جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان دس دنوں میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔“ کیونکہ مذکورہ بالا روایت (روزہ رکھنے) کو ثابت کر رہی ہے، اس لیے وہ روزہ رکھنے کی نفی کرنے والی حدیث سے رائج اور اولیٰ ہے۔

(فضائل الأوقات للبيهقي: ۱۷۵، مزید دیکھئے: السنن الكبرى: ۴/ ۶۸۸)

امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

”هو متأول على انها لم تره ولا يلزم منه تركه في نفس الأمر لانه ﷺ كَانَ يَكُونُ عِنْدَهَا فِي يَوْمٍ مِنْ تِسْعَةِ أَيَّامٍ وَالْبَاقِي عِنْدَ بَاقِي أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ ﷺ أَوْ لَعَلَّهُ ﷺ كَانَ يَصُومُ بَعْضُهُ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ وَكُلَّهُ فِي بَعْضِهَا وَيَتْرُكُهُ فِي بَعْضِهَا لِعَارِضِ سَفَرٍ أَوْ مَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِمَا وَبِهَذَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْأَحَادِيثِ.“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی وضاحت اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو روزے کی حالت میں نہ دیکھا ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے حقیقت میں ان روزوں کو چھوڑا تھا کیونکہ آپ نو میں سے ایک دن ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اور باقی ایام دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے پاس، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کبھی اس عشرے کے چند دن تو روزہ رکھتے ہوں اور چند دن چھوڑتے ہوں، اور کبھی پورا عشرہ روزہ رکھا ہو اور کبھی سفر



یامرض یا کسی اور سبب سے پورا عشرہ روزے کو ترک کیا ہو۔ اس وضاحت سے احادیث میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔ (المجموع شرح المہذب: ۶/ ۳۸۷)

مزید فرماتے ہیں: ”فليس في صوم هذه التسعة كراهة بل هي مستحبة استحبابا شديدا لا سيما التاسع منها وهو يوم عرفة“.

ان نو دنوں میں روزے رکھنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور شدید مستحب ہیں اور خاص طور پر ۹ ذوالحجہ کو جو یوم عرفہ ہے۔“ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۸/ ۷۸)

* امام عبداللہ بن عون رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں: ”كَانَ مُحَمَّدٌ يَصُومُ الْعَشَرَ عَشَرَ ذِي الْحِجَّةِ كُلِّهِ، فَإِذَا مَضَى الْعَشْرُ وَمَضَتْ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَفْطَرَ تِسْعَةَ أَيَّامٍ مِثْلَ مَا صَامَ“

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تابعی (المتوفی: ۱۱۰ھ) مکمل عشرہ ذوالحجہ کے روزے رکھتے تو جب عشرہ ذوالحجہ اور ایام تشریق گزر جاتے تو نو دن روزے کا ناغہ کرتے جیسے پہلے روزے رکھتے“ (مصنف ابن أبي شيبة: ۲/ ۳۰۰، وسنده صحيح)

یہاں مکمل عشرہ سے مراد ۹ دن ہی ہیں کیونکہ اگلے الفاظ سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم
۴) عرفہ کے دن کی فضیلت:

یوم عرفہ عشرہ ذوالحجہ میں سے اہم ترین دن ہے اور اس کے متعدد فضائل ہیں:
۱: اللہ تعالیٰ کا یوم عرفہ کی قسم کھانا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ﴾ قسم ہے حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوا جائے۔ (البروج: ۳)

اکثر مفسرین کا موقف ہے کہ آیت کریمہ میں ﴿شَاهِدٍ﴾ سے مراد ”جمعہ“ کا دن اور ﴿مَشْهُودٍ﴾ سے مراد عرفات کا دن ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور امام قتادہ رحمہ اللہ سے صحیح و حسن اسناد سے مروی ہے۔

(دیکھئے تفسیر الطبری ۱۱/ ۴۸۱، ۴۸۲)

۲: دین کی تکمیل اور اتمامِ نعمت کا دن:

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو، اگر ہم یہودیوں پر اترتی تو ہم ضرور اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کونسی آیت ہے؟ وہ کہنے لگا: ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳)

تو عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہم اس دن اور جگہ کو جانتے ہیں جس میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتی، اس وقت آپ عرفات (کے میدان) میں جمعہ کے دن کھڑے تھے۔“

(صحیح البخاری: ۴۵، ۷۲۶۸، صحیح مسلم: ۳۰۱۷)

ایک دوسری روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

فإنها نزلت في يوم عيدين في يوم الجمعة ويوم عرفة. بے شک یہ آیت دو عید کے دنوں کے بارے میں اترتی، جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن۔

دیکھئے: سنن الترمذی: ۳۰۴۴ و سندہ صحیح۔

۳: یوم عرفہ اہل اسلام کے لیے عید کا دن:

سیدنا عقبہ بن عامر الجبنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”يَوْمُ عَرَفَةَ، وَيَوْمُ النَّحْرِ، وَيَوْمُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَهِيَ أَيَّامٌ أَكَلٍ وَشَرْبٍ.“ یوم عرفہ، قربانی کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کے لیے عید ہیں اور یہ ایام کھانے پینے کے ہیں۔ (سنن أبي داود: ۲۴۱۹، سنن الترمذی: ۷۷۳، سنن

النسائی: ۳۰۰۷، و سندہ حسن)

۴: عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں (حاجیوں) پر فخر کرنا اور عام بخشش فرمانا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مَنْ أَنْ يُعْتَقَ اللَّهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ، مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ



لَيَذْنُو، ثُمَّ يَبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ، فَيَقُولُ: مَا أَرَادَ هَؤُلَاءِ؟“
 اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن بھی اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد نہیں کرتا اور (اللہ تعالیٰ) اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے پھر فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان سارے بندوں کا کیا ارادہ ہے؟“ (صحیح مسلم: ۱۳۴۸)
 ۵: یوم عرفہ کا روزہ:

سیدنا ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((صِيَامُ يَوْمٍ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ.....))
 عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ گزشتہ اور آئندہ (دو) سالوں کے (گناہوں) کا کفارہ ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲)
 تنبیہ: یہ روزہ حاجیوں کے لیے نہیں ہے۔

(دیکھئے: صحیح البخاری: ۱۶۵۸، ۱۹۸۸، صحیح مسلم: ۱۱۲۳)
 امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: ”فَأَحَبُّ صَوْمِهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَاجًّا فَأَحَبُّ لَهُ تَرْكُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ لِأَنَّهُ حَاجٌّ مُضِحٌّ مُسَافِرٌ وَلِتَرْكِ النَّبِيِّ ﷺ صَوْمَهُ فِي الْحَجِّ وَلِيَقْوَى بِذَلِكَ عَلَى الدُّعَاءِ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ يَوْمَ عَرَفَةَ.“ میں اس دن کے روزے کو پسند کرتا ہوں سوائے حاجی کے، اس کے لیے میں پسند کرتا ہوں عرفہ کے دن کا روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ فربضہ حج ادا کرنے والا، قربانی کرنے والا اور مسافر ہے (سب سے بڑی بات) نبی ﷺ کے حج میں روزہ چھوڑنے کی وجہ سے، تاکہ وہ دعا کے لیے خوب توانا رہے اور عرفہ کے دن کی دعا افضل دعا ہے۔

(دیکھئے مختصر المزنی ص ۵۹، فضائل الأوقات للبيهقي ص ۳۶۴)

۵: عشرہ ذوالحجہ کا سب سے عظیم عمل حج:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھے۔ (آل عمران: ۹۷)

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا:

﴿وَإِذْ نَفِی النَّاسَ بِالنَّحِیِّ یَا تُوکَی رَجُلًا وَ عَلٰی کُلِّ صَامِرٍ یَّائِنٍ مِنْ کُلِّ فِجٍّ عَصِیقٍ﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، پیدل اور ہر لاغر سواری پر آئیں گے جو ہر دور دراز رستوں سے آئیں گی“ (الحج: ۲۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ، وَلَمْ یَفْسُقْ، رَجَعَ کَیَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ))

جس نے اللہ کے لیے حج کیا کہ نہ کوئی فحش بات کی اور نہ کوئی گناہ کا کام (تو) وہ اس دن کی طرح لوٹا جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۲۱، صحیح مسلم: ۱۳۵۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ))

ایک عمرہ سے دوسرا عمرہ درمیانی (وقت) کا کفارہ ہے اور نیکوں سے بھرپور مقبول حج کی جزا

جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (صحیح البخاری: ۱۷۷۳، صحیح مسلم: ۱۳۴۹)

۷: عشرہ ذوالحجہ کا عظیم دن:

سیدنا عبداللہ بن قریظ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یَوْمُ النَّحْرِ، ثُمَّ یَوْمُ الْقَرِّ))

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے عظیم دن قربانی کا دن، پھر ”یوم القر“ ہے۔

(سنن أبی داود: ۱۷۶۵، مسند أحمد ۴/ ۳۵۰، وسنده صحیح)

یَوْمُ الْقَرِّ: عید الاضحیٰ کا دوسرا دن مراد ہے۔

قربانی: قربانی ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ

ﷺ کے لیے بھی جاری فرمادیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَدْ يٰنٰهُ بِنِیْجٍ عَظِیْمٍ﴾

اور ہم نے اس کے بدلے میں بڑی قربانی دی۔ (الصافات: ۱۰۷)



یعنی اسماعیل علیہ السلام کی جگہ انھیں ایک مینڈھا دیا جو کہ بطور قربانی تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ فَإِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا طَوْ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾

ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی ہے تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں دیے ہیں، سو تمہارا اللہ ایک ہی اللہ ہے تو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ (الحج: ۳۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (اے نبی) کہہ دیجیے بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ (الانعام: ۱۶۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كُنْ يَنَالُ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَدِمَا وَهِيَ الْكُنْ يَنَالُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ طَوْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ﴾

اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچیں گے اور نہ ان کے خون اور لیکن اسے تمہارا تقویٰ پہنچے گا اسی طرح اس نے انھیں تمہارے لیے تابع کر دیا، تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ (الحج: ۳۷)

تکبیراتِ عید

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (9 ذوالحجہ) کے دن نمازِ فجر سے لے کر تیرہ (13) ذوالحجہ کی نماز عصر تک تکبیرات پڑھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم ۱/ ۲۹۹ و صححہ و وافقہ الذہبی)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تکبیرات کے درج ذیل الفاظ ثابت ہیں: اَللّٰهُ اَكْبَرُ کَبِيرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ کَبِيرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَجَلُّ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

(مصنف ابن أبي شيبة ۲/ ۱۶۷ ح ۵۶۴۵، السنن الكبرى للبيهقي ۳/ ۳۱۶، وسنده صحيح)

ابوالقاسم نوید شوکت

(قط: آخری)

مشاجرات صحابہ کرام کے بارے میں سلف کا موقف

(۱) امام ابو نعیم اصبہانی نے کہا: فَلَمْ يَخْتَلَفْ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي كُلِّ زَمَانٍ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَاجْتَهَدُوا فِيهِ مِنَ الرَّأْيِ مَأْجُورُونَ وَمَحْمُودُونَ، وَإِنْ كَانَ الْحَقُّ مَعَ بَعْضِهِمْ دُونَ الْكُلِّ، وَلَا يُعْنَفُ مَنْ قَالَ بِقَوْلِ بَعْضِهِمْ وَتَرَكَ قَوْلَ بَعْضٍ، وَأنَّهُ عِنْدَهُ مُصِيبُ الْحَقِّ الَّذِي أَمَرَ بِهِ مِنْ طَرِيقِ الرَّأْيِ وَالْاجْتِهَادِ.

اہل علم میں سے کسی ایک نے کسی بھی دور میں اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ بے شک اصحاب رسول ﷺ نے جس چیز میں اختلاف کیا، اس میں انھوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا تو ان کو اجر دیا گیا اور وہ تعریف کیے گئے، حالانکہ حق ان کے بعض کے ساتھ تھا، سب کے ساتھ نہیں، اور جس نے ان میں سے ایک کے قول کو لیا اور دوسرے کے قول کو ترک کر دیا اسے ناپسند نہیں کیا جائے گا، بے شک وہ (صحابی) اس کے نزدیک حق کو پہنچنے والا ہے۔ جس نے اپنے اجتہاد اور رائے کے ذریعے فتویٰ دیا۔

(کتاب الإمامة لأبي نعیم الأصبهانی ص 310)

(۲) امام ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی نے کہا: ”وَمِنْ قَوْلِهِمْ: أَنَّ يُحْسِنَ الْقَوْلَ فِي السَّادَاتِ الْكِرَامِ، أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَأَنْ تُذَكَّرَ فَضَائِلُهُمْ، وَتُنْشَرَ مَحَاسِنُهُمْ، وَ يُمَسَّكَ عَمَّا سِوَى ذَلِكَ مِمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ لِقَوْلِهِ ﷺ: ((إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا)) يَعْنِي: إِذَا ذُكِرُوا بِغَيْرِ الْجَمِيلِ، وَ لِقَوْلِهِ ﷺ: ((اللَّهُ فِي أَصْحَابِي))، وَ يَجِبُ أَنْ يُلْتَمَسَ لَهُمْ أَحْسَنُ الْمَخَارِجِ، وَ أَجْمَلُ الْمَذَاهِبِ، لِمَكَانِهِمْ مِنَ الْإِسْلَامِ، وَمَوْضِعِهِمْ مِنَ الدِّينِ وَ



الْإِيمَانِ، وَ أَنَّهُمْ أَهْلُ الرَّأْيِ وَالْاجْتِهَادِ، وَ أَنْصَحَ النَّاسَ لِلْعِبَادِ، وَ هُمْ
مِمَّنْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِمْ: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى
سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ (الحجر 47)

اور ان (اہل سنت والجماعت) کا قول یہ ہے کہ تُو سادات کرام یعنی نبی ﷺ کے صحابہ کے
بارے میں اچھی بات کہے اور تو ان کے فضائل کا تذکرہ کرے اور ان کی نیکیوں کو پھیلانے اور
اس کے علاوہ جو ان کے آپس کے جھگڑے ہیں، ان سے تورک جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ
نے فرمایا: ”جب میرے صحابی کا ذکر کیا جائے، تو تم رک جاؤ۔“ یعنی جب ان کا تذکرہ برائی
سے کیا جائے (تو تم رک جاؤ)، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ سے ڈرو، میرے
صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔“ نیز یہ واجب ہے کہ دین اسلام میں ان کے مقام و مرتبہ
کی وجہ سے ان کے لیے بہترین توجیہ تلاش کی جائے اور بے شک وہ رائے اور اجتہاد کرنے
والے ہیں اور سب سے زیادہ بندوں کے خیر خواہ ہیں اور انہی کے بارے میں اللہ جل شانہ
نے فرمایا ہے: ”ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا ہم سب کچھ نکال دیں گے، بھائی بھائی
بنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے“

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة لأبي عمرو الداني ص 132)

۳) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: ”وَ أَمَّا مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ بَعْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَ
السَّلَامُ، فَمِنْهُ مَا وَقَعَ عَنْ غَيْرِ قَصْدٍ، كَيَوْمِ الْجَمَلِ، وَمِنْهُ مَا كَانَ عَنْ
اجْتِهَادٍ، كَيَوْمِ صِفِّينَ، وَ الْاجْتِهَادُ يُخْطِئُ وَ يُصِيبُ، وَلَكِنْ صَاحِبُهُ
مَعْدُورٌ وَ إِنْ أَخْطَأَ، وَ مَأْجُورٌ أَيْضًا، وَ أَمَّا الْمُصِيبُ فَلَهُ أَجْرَانِ اثْنَانِ، وَ
كَانَ عَلَيَّ وَ أَصْحَابُهُ أَقْرَبُ إِلَى الْحَقِّ مِنْ مُعَاوِيَةَ وَ أَصْحَابِهِ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ“

اور آپ ﷺ کے بعد ان میں جو اختلاف ہوئے ہیں ان میں سے بعض تو بغیر ارادے کے
ہوئے جیسے جنگ جمل اور بعض اجتہاد سے ہوئے جیسے جنگ صفین، اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے

اور غلط بھی ہوتا ہے، لیکن اجتہاد کرنے والا معذور ہے اگرچہ اسے غلطی لگے، اسے اجر بھی ملتا ہے اور اگر اجتہاد صحیح ہو تو دواجر ملتے ہیں۔ (سیدنا) علی (ؓ) اور ان کے ساتھی (مقابل میں سیدنا) معاویہ (ؓ) اور ان کے ساتھیوں کی نسبت حق کے زیادہ قریب تھے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو جائے۔ (اختصار علوم الحديث ص 116)

الحمد للہ! ہم نے اس مضمون میں تابعین سے لے کر حافظ ابن حجر تک اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ہر دور میں تمام محدثین و علماء کرام اس بات پر متفق رہے ہیں کہ صحابہ کرام کے آپس کے اختلافات کو عوام کے سامنے بیان نہ کیا جائے اور آج تک اس پر اجماع ہے لیکن اس دور میں کچھ لوگ مشاجرات صحابہ کو عوام میں پھیلانے میں دن رات مشغول ہیں اور اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمے میں لکھا ہے کہ میں نے یہ صحیح مسلم لکھی ہی عوام کے لیے ہے اور امام مسلم نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں احادیث کو صحیح مسلم میں بیان کیا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ مشاجرات صحابہ کو عوام کے سامنے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ صحیح مسلم کے مقدمے میں مجھے کہیں نہیں ملا کہ امام صاحب نے لکھا ہو کہ میں نے صحیح مسلم عوام ہی کے لیے لکھی ہے، البتہ یہ بات امام صاحب نے لکھی ہے:

”حِينَ سَأَلْتَنِي تَجَشُّمَ ذَلِكَ أَنْ لَوْ عَزِمَ لِي عَلَيْهِ، وَفُضِيَ لِي تَمَامُهُ، كَانَ أَوَّلَ مَنْ يُصِيبُهُ نَفْعُ ذَلِكَ إِبَائِي خَاصَّةً قَبْلَ غَيْرِي مِنَ النَّاسِ لِأَسْبَابٍ كَثِيرَةٍ يَطُولُ بِذِكْرِهَا الْوَصْفُ، إِلَّا أَنَّ جُمْلَةَ ذَلِكَ أَنَّ صَبْطَ الْقَلِيلِ مِنْ هَذَا الشَّانِ، وَإِنْقَائِهِ، أَيْسَرُ عَلَى الْمَرْءِ مِنْ مُعَالَجَةِ الْكَثِيرِ مِنْهُ، وَلَا سِيَّمَا عِنْدَ مَنْ لَا تَمَيِّزَ عِنْدَهُ مِنَ الْعَوَامِّ، إِلَّا بِأَنْ يُوقِفَهُ عَلَى التَّمْيِيزِ غَيْرُهُ..... إلخ“

”جب تو نے مجھے اس بات کی تکلیف دی، اگر یہ کام مجھ سے ہو جائے اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا میری تقدیر میں لکھا ہوگا تو سب سے پہلے دوسروں کی بنسبت مجھے خود ہی اس کا



فائدہ ہوگا، کئی اسباب سے، جن کا بیان کرنا طویل ہو جائے گا، مگر خلاصہ یہ ہے کہ اس معیار کی تھوڑی احادیث کو یاد کرنا اور انھیں پختہ کرنا آدمی کے لیے زیادہ آسان ہے نسبت بہت زیادہ جمع کرنے سے، خاص طور پر اس آدمی کے لیے جو عوام الناس میں سے ہے اور اسے زیادہ پہچان نہیں، الایہ کہ کوئی صاحب فن اسے صحیح و سقیم میں فرق پر آگاہ کر دے..... راجح،
(مقدمۃ الإمام مسلم رحمہ اللہ 3/1)

اس میں چند باتیں توجہ طلب ہیں:

اس سے یہ مفہوم اخذ کرنا کہ مشاجرات صحابہ کو عوام کے سامنے پھیلانا اور یہ باور کرنا کہ یہ امام مسلم کا مسلک تھا کئی وجہ سے غلط ہے:

۱: یہ مفہوم کسی محدث نے اخذ نہیں کیا۔

۲: یہ مفہوم اجماع امت کے خلاف ہے۔

۳: یہ کہ امام مسلم کا مسلک بھی مشاجرات صحابہ کے بارے میں وہی تھا جو باقی محدثین کا تھا، دلیل اس کی یہ ہے کہ امام ابو حاتم اور امام ابوزرعرہ کے اقوال پیچھے گزر چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے شام، عراق، حجاز، یمن اور مصر کے تمام علماء کو اسی پر پایا ہے کہ وہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں سکوت کا حکم دیتے تھے اور یہ تینوں امام ایک ہی زمانے کے ہیں اگر امام مسلم کا عقیدہ ان کے خلاف ہوتا تو وہ ضرور بیان کرتے۔

۴: اور یہ روایات صرف امام مسلم نے ہی نہیں بلکہ اور بھی محدثین نے بیان کی ہیں اور یہ مفہوم ان محدثین کے صریح اقوال کے خلاف ہے لہذا مردود ہے۔

اسی طرح عوام میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، تو جب اس طرح کے بیانات ان کے سامنے دیئے جائیں تو بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بُری باتیں کرتے ہیں بلکہ ہم نے خود اس طرح کے بیانات دینے والوں کو سنا ہے، وہ کہتے ہیں ہم امیر معاویہ سے محبت نہیں کرتے تو بغض بھی نہیں رکھتے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

حالانکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ہمارے لیے

ضروری ہے اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور نبی ﷺ کے کسی ایک بھی صحابی سے بغض رکھنا اور محبت نہ کرنا حرام ہے۔

اہل سنت کے عقائد پر جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں نبی ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے، اس کے برعکس دو ایسے گروہ ہیں جو سیدھے راستے سے بھٹک گئے اور گمراہ ہو گئے ایک ان میں سے روافض کا گروہ ہے جو ابوبکر و عمر و عثمان اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں اور ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، اور دوسرا گروہ ناصبیوں کا ہے، جو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں، یہ دونوں ہی گمراہ ہیں اور اہل سنت کا راستہ درمیان کا ہے، وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور ان کے آپس کے اختلافات پر سکوت کرتے ہیں اور ان کے لیے بخشش اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما علينا إلا البلاغ المبين

شذرات الذہب

امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ (متوفی: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: ”جب تم کسی بدعتی کلامی کو دیکھو کہ وہ کہتا ہے: تم ہمیں کتاب اللہ اور احادیث آحاد سے الگ رکھو اور عقل سے بات کرو۔ تو سمجھ لو کہ وہ ابو جہل ہے۔ اور جب کسی وحدۃ الوجودی صوفی کو دیکھو کہ وہ کہتا ہے: عقل و نقل کو ہم سے الگ رکھو اور ذوق اور وجدان کی بات کرو، تو سمجھ لینا کہ وہ ابلیس ہے جو انسانی صورت میں ظاہر ہوا ہے، یا اس انسان میں حلول کر گیا ہے۔ پس اگر تمہیں اس سے ڈر لگے تو وہاں سے بھاگ جانا اور اگر بھاگنا نہیں تو اسے نیچے گرا کر اس کی چھاتی پر چڑھ جاؤ اور آیت الکرسی پڑھ کر اس پر پھونکو اور اس کی گردن دو بوجھ لو۔“

(سیر أعلام النبلاء للذهبي ۴/ ۴۷۲)



مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

فتنہ انکار حدیث اور عزیز اللہ بوہیو (قسط: 7)

اس گروہ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو لغت اور اپنی عقل کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور شارح قرآن محمد ﷺ کی تشریح کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہی سبب ہے کہ وہ سیدھی راہ سے کوسوں دور جا چکے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے، قرآن مجید کی تشریح اور وضاحت کا حق صرف محمد ﷺ کو دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی جو تشریح کی، وہ بھی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سکھائی تھی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(۱) ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۖ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾
اس (قرآن) کا جمع کرنا اور (آپ کا زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمے ہے جب ہم اس کو پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمے ہے۔ (الفیۃ: 17-19)

(۲) ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۚ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾
اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن کریم) نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا ہے، آپ اس کو کھول کھول کر بیان کریں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔ (النحل: 44)

(۳) ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾
یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے۔ (النساء: 105)

(۴) ﴿وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۖ وَلَا يَأْتُونَكَ بِسَبِيلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾
اور ہم نے اس (قرآن) کو ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ کر سنایا ہے۔ یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال بھی لائیں گے، ہم اس کا سچا جواب اور اس کی عمدہ توجیہ بتا دیں گے۔ (الفرقان: 32-33)

مذکورہ آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف محمد ﷺ پر قرآن مجید اتارا بلکہ اس قرآن مجید کی تشریح و توضیح بھی خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ جبریل امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو بات سنی وہ من وعین نبی ﷺ تک پہنچائی، آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے جو کچھ سنا اور سیکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں اس کو بالکل محفوظ کر دیا، لہذا قرآن مجید کی تفسیر اور اس کا عملی نمونہ وہی معتبر مانا جائے گا جو کہ محمد ﷺ سے صحیح ثابت ہو، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی تشریح بتائی، وہاں اس چیز کا پابند بھی کیا کہ اس معاملے میں اپنی ذاتی خواہش اور ضرورت کی بنا پر ایک لفظ بھی نہ بولیں اور یہ بھی بتایا کہ لامحالہ اگر آپ نے کچھ کہہ ڈالا تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ لَنُفَصِّلَنَّ لَهُ لَقَطْعًا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَبِمَا مَنَعَكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾

اور اگر وہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا، تو یقیناً ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ (الحاقة: 44-47)

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پیروی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، وحی کے ذریعے جو پیغام ملا وہ لوگوں تک پہنچایا، وحی کی جو تشریح سنی، ویسے ہی بتائی، اپنی طرف سے نہ کچھ کہا، نہ اضافہ کیا اور نہ ہی کمی کی۔ متعدد مواقع پر وحی کا علم نہ ہونے پر لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنی طرف سے ان کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے اس مشورہ کا جواب ان کو خود نہیں دیا، بلکہ وحی کے آنے کے بعد دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَا اجْتَنِبْهَا ۖ فَمَلَّ إِنَّمَا اتَّبِعْ مَا يُوْحَىٰٓ إِلَيْنَا ۚ وَبِأَنفُسِنَا ۚ وَآيَاتِنَا ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعُقُومٍ يُؤْمِنُونَ﴾

”اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی (یعنی معجزہ وغیرہ) نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ تم خود اپنی طرف سے کیوں نہیں بنا لاتے؟ آپ فرما دیجیے کہ میں تو فقط اس (چیز) کا اتباع کرتا



ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ روشن دلیلیں ہیں، تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

(الأعراف: 203)

﴿وَإِذْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهُمْ آيَاتُنَا بِبَيِّنَاتٍ لِّقَالِ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّا وَبِعْدَ الْغَيْبِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے، یوں کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لایے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے۔ آپ کہہ دیجیے، میرے لائق نہیں ہے کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں صرف اتباع کرتا ہوں اس کی، جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ تم کو اس کی اطلاع اللہ دیتا، کیونکہ اس سے پہلے تو میں عمر کے ایک بڑے حصہ تک تم میں رہ چکا ہوں، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (یونس: 16-15)

مذکورہ آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کرنے کا حق کائنات میں کسی کو بھی نہیں ہے، حتیٰ کہ صاحب قرآن محمد ﷺ کو بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ، محمد ﷺ، اسلام، قرآن اور مسلمانوں کے دشمن زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اپنی طرف سے ہی بتا دو، ہمیں کیا پتہ لگے گا کہ یہ وحی ہے اور یہ آپ کی ذاتی رائے ہے۔ اس بات کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سمجھایا، لہذا قرآن مجید کی کسی بھی آیت کا ترجمہ یا اس کی تشریح کرنے کے لیے صرف لغت کافی نہیں ہے، بلکہ جب تک صاحب وحی محمد ﷺ اس آیت کی تشریح نہ کریں تب تک وہ بات معتبر اور مستند نہیں ہوگی۔

عہد رسالت کے کچھ واقعات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ (البقرة: 187) عَمَدَتْ إِلَىٰ عِقَالٍ أَسْوَدَ، وَإِلَىٰ عِقَالٍ أَبْيَضَ، فَجَعَلَتْهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِي، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ فِي اللَّيْلِ، فَلَا يَسْتَبِينُ لِي، فَعَدَوْتُ عَلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَذَكَرْتُ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ: إِنَّمَا ذَلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.“

جب (یہ آیت) نازل ہوئی (ترجمہ) تا آنکہ واضح ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے (البقرة: 187) تو میں نے ایک سیاہ دھاگہ لیا اور ایک سفید اور دونوں کو تکیہ کے نیچے رکھ لیا اور رات بھر دیکھتا رہا مجھ پر ان کے رنگ واضح نہ ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر آپ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: اس سے رات کی تاریکی (صبح کا زب) اور دن کی سفیدی (صبح صادق) مراد ہے۔

(صحیح البخاری: 1916، صحیح مسلم: 2533)

(۲) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَيْسَ أَحَدٌ يَحَاسِبُ إِلَّا هَلَكَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ، أَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِسَيِّئَةٍ﴾ ۝ فَسَوْفَ يَحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿﴾ (الانشقاق: 8) قَالَ: ((ذَاكَ الْعَرَضُ يُعْرَضُونَ وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ.))“

جس کسی سے بھی قیامت کے دن حساب لیا گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (عائشہ رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ عز و جل نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ”پس (اس وقت) جس کسی کو نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا، تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (انشقاق: 7-8) آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہ تو پیشی ہے، وہ صرف پیش کئے جائیں گے اور جس سے بھی پوری طرح حساب لیا گیا وہ



ہلاک ہوگا۔ (صحیح البخاری: 4939، صحیح مسلم: 7227)

۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَرَأَيْتَ جَنَّةَ عَرَضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ، فَأَيْنَ النَّارُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَرَأَيْتَ هَذَا اللَّيْلَ (الَّذِي) قَدْ كَانَ [أَلْبَسَ عَلَيْكَ كُلَّ شَيْءٍ]، ثُمَّ لَيْسَ شَيْءٌ، أَيْنَ جُعِلَ؟)) قَالَ: اللَّهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ((فَإِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ))“

(صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان: 103، وسنده صحیح، المستدرک للحاکم:

102، البحر الزخار المعروف بمسند البزار: 9380)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذرا بتاؤ: یہ (گزشتہ) رات جس نے تم پر ہر شے کو ڈھانپ لیا تھا، اب بالکل بھی نہیں ہے، وہ کہاں لے جائی گئی؟ اس نے کہا: اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اسی طرح اللہ سب باتوں کے متعلق جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَرًا وَأَضْلَىٰ سَبِيلًا﴾ جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے، وہی

بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں۔ (الفرقان: 34)

۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ يُحْشَرُ الْكَافِرُ

عَلَىٰ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: ((أَلَيْسَ الَّذِي أَمْسَاهُ عَلَى الرَّجُلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلَىٰ أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) قَالَ قَتَادَةُ: بَلَىٰ وَعِزَّةُ رَبِّنَا. “

ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! قیامت کے دن کافر کو منہ کے بل کس طرح چلایا جائے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جس اللہ نے اس کو دنیا میں دو پاؤں پر چلایا تھا، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اس کو چہرے کے بل چلا دے؟ قتادہ (رحمہ اللہ)

نے کہا کہ ہمارے رب کی عزت کی قسم! یوں ہی ہوگا۔ (صحیح البخاری: 4760، صحیح

مسلم: 7087، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان: 7323)

مذکورہ واقعات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو صرف لغت اور عقل کی بنیاد پر نہیں سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے اکثر عربی زبان بولنے اور سمجھنے والے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عالمہ اور فقیہہ تھیں، لیکن قرآن مجید کے مقامات کو سمجھنے سے قاصر رہیں۔ جب انھوں نے اپنی الجھن، محمد ﷺ کے سامنے پیش کی تو آپ نے وحی کی تعلیم کی روشنی میں ان کی پریشانی کو دور کر دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا رجوع، حقیقت میں آنے والے مسلمانوں کے لیے ایک سبق، دلیل اور ثبوت تھا کہ وہ بھی قرآن مجید میں کہیں بھی مشکل کا شکار ہوں تو فوری طور پر کتب احادیث اور سلف صالحین کی طرف رجوع کریں، اس طرح ان کی علمی الجھن دور ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی 774ھ) فرماتے ہیں:

”إِنَّ أَصَحَّ الطَّرِيقِ فِي ذَلِكَ أَنْ يُفَسَّرَ الْقُرْآنُ بِالْقُرْآنِ، فَمَا أَجْمَلَ فِي مَكَانٍ فَإِنَّهُ قَدْ فُسِّرَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ، فَإِنْ أَعْيَاكَ ذَلِكَ فَاعْلَيْكَ بِالسَّنَةِ فَإِنَّهَا شَارِحَةٌ لِلْقُرْآنِ وَمَوْضِحَةٌ لَهُ.“ قرآن (مجید) کی تفسیر کرنے کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ جہاں بھی قرآن کا کوئی جمل مضمون ہے تو دوسری جگہ پر اس کی تفسیر موجود ہے اور اگر ایسا کرنا تمھارے بس سے باہر ہو تو پھر سنت یعنی حدیث سے اس کی تفسیر کرنی چاہیے، کیونکہ حدیث قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر ہے اور اس کے مضمون کی وضاحت کرتی ہے۔ (مقدمة تفسیر القرآن العظيم 19/1 طبع کویت)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ قرآن مجید کی آیت:

﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ الْبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَالَهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(النحل: 44) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”لتبين للناس ما نزل إليهم. أي من ربهم

لعلكم بمعنى ما أنزل الله عليك وحرصك عليه واتباعك له. ولعلمننا



بأنك أفضل الخلائق ، وسيد ولد آدم فتفصل لهم ما أجمل وتبين لهم ما أشكل . ” یعنی جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اس کی وضاحت کریں، اس کا سبب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے آپ اس کا معنی و مراد خوب جانتے ہیں، اور آپ اس کے حریص بھی ہیں اور آپ خود اس پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں، اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ تمام مخلوق میں افضل ترین اور تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ چنانچہ آپ مجمل مقامات کی تفصیل ان کے سامنے بیان کیجیے اور اس کے مشکل مقامات کی وضاحت کیجیے۔ (تفسیر القرآن العظیم 754/2)

ساری بحث و تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد ﷺ کو صاحب قرآن و شارح وحی مانا جائے۔ آپ ﷺ نے دین کے احکامات کی جو تشریح اور وضاحت کی ہے، اس کو سچا سمجھ کر مانا جائے اور ان احکامات پر ایسے عمل کیا جائے جیسے آپ ﷺ نے کیا ہے۔ منکرین حدیث قرآن مجید کو تو مانتے ہیں لیکن اس شرح، وضاحت اور اس کے عملی نمونہ کو نہیں مانتے جو کہ محمد ﷺ نے کر کے دکھایا تھا، وہ پیغمبر ﷺ کی سنت یعنی حدیث، جو کہ قرآن مجید کی وضاحت ہے، اس کی شرعی حیثیت کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کا ترجمہ اور قرآنی اصطلاحات کا جو معنی کرتے ہیں، اس کے لیے ان کے پاس نفسانی خواہشات کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے اور اسلامی اصطلاحات کا معنی کرنے میں انھوں نے جتنی ٹھوکریں کھائی ہیں، اتنی کسی اور نے نہیں کھائی ہیں۔ قرآن مجید کو لغت اور عقل کی بنیاد پر سمجھنے کی وجہ سے وہ اسلامی عقائد میں مار کھا گئے۔ اسلامی اعمال میں وہ مسلمانوں سے نہ صرف الگ ہو گئے، بلکہ بہت دور چلے گئے ہیں۔ اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ عقیدہ اور عمل میں قرآن اور حدیث میں جتنی بھی باتیں بتائی گئی ہیں وہ عین عقل سلیم کے موافق ہیں۔ اس سے بڑھ کر پاگل پن اور دیوانگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنی محدود عقل اور ادھوری سوچ کو کوسوٹی بنا کر دین کے احکامات کو پرکھنے کی ناکام کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و حدیث پر صدق دل سے عمل کرنے کی توفیق

عطا فرمائے۔ آمین

نماز کی شرعی حیثیت پر کئے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ:

امام کائنات محمد ﷺ کے عہد مبارک میں جہاں مسلمان ہر قسم کے فتنے، فساد اور عذاب الہی سے محفوظ و مامون رہے، وہاں کفار اور مشرکین بھی عام عذاب سے محفوظ رہے۔ کفار اور مشرکین نے اپنی زبان سے عذاب مانگا بھی تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی موجودگی میں انہیں عذاب نہ دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾..... الآية۔

اور (وہ وقت یاد کریں) جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہ (قرآن) حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔ اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ (الانفال: 32-33)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا، باوجود اس کے کہ کفار اور مشرکین نے محمد ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے شمار تکلیفیں دیں اور مخالفتیں کیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر عام عذاب نہیں بھیجا۔ جیسے ہی نبی ﷺ کی وفات ہوئی وہ فتنے اور فساد نمودار ہوئے جن کے واقع ہونے کے متعلق آپ ﷺ نے وحی الہی کی روشنی میں پیشین گوئی کی تھی۔

سیدنا اسماء بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: (ایک مرتبہ) نبی ﷺ مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر چڑھے، پھر فرمایا کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں، کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو بارش کے قطروں کی طرح تمہارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں۔ (صحیح البخاری: 7060، صحیح مسلم: 7245)

نبی ﷺ کی پیشین گوئی بالکل سچی ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد نئے نئے فتنے کھڑے ہوئے اور ایک کے بعد دوسرا ظاہر ہوتا رہا۔ آپ ﷺ نے حدیث مبارکہ



کی شرعی حیثیت کا انکار کرنے والے گروہ کے متعلق جو کچھ کہا، وہ من و عن صحیح ثابت ہوا، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں قارئین پڑھ چکے ہیں۔ عزیز اللہ بوہیو نے نہ صرف حدیث کی تشریح کی حیثیت کا انکار کیا ہے بلکہ اس نے ”نماز“ کی شرعی حیثیت اور کیفیت کا بھی بالکل انکار کیا ہے۔ موصوف کا موقف ہے کہ ”صلوٰۃ“ اور ”نماز“ میں فرق ہے۔ مساجد میں مسلمان جو پانچ نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں وہ قرآن مجید میں بیان کی گئی ”صلوٰۃ“ نہیں ہے اور نہ ہی قرآن مجید میں بیان کی گئی ”صلوٰۃ“ کی یہی کیفیت اور شکل ہے۔ مسلمان خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور گرمی اور سردی میں بغیر کسی مقصد کے اپنی پیشانیاں رگڑ رہے ہیں۔

مسلمانوں کے جتنے بھی فرقے ہیں، ان میں سے ایک یا دو فرقے ایسے ہیں جو نماز کی شرعی حیثیت کے منکر ہیں، جبکہ باقی ”صلوٰۃ“ سے مراد موجودہ نماز ہی لیتے ہیں۔ وہ نماز کی شرعی حیثیت کو بھی مانتے ہیں اور ثواب کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے چھوڑنے کو کفر اور شرک بھی سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ نماز کے طریقہ کار، اوقات اور نفلی نماز کی رکعتوں میں اختلاف رکھتے ہیں، لیکن پانچ وقت کی نماز اور فرض نماز کی رکعات میں وہ متفق ہیں۔ عزیز اللہ بوہیو سے پہلے بھی کچھ ایسے افراد ملتے ہیں جنہوں نے ”نماز“ کی شرعی حیثیت کو سبوتاژ کرنے کی سعی نامشکور کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ”مسلمہ کذاب“ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ اسی طرح ”ہوازن“ کے قبیلے ”بنو تمیم“ سے تعلق رکھنے والی ایک عیسائی عورت ”سجاح بنت تمیمہ“ نے بھی مسلمہ کے دعویٰ نبوت سے متاثر ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا، آگے چل کر ان دونوں نے آپس میں شادی کر لی۔ اس عورت نے اپنا مہر یہ مقرر کیا کہ معتقدین پر عشاء اور فجر کی نماز پڑھنا معاف کر دی۔

(الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر 198/8، دار الكتب العلمية، بيروت)

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ (متوفی 1416ھ) مسلمانوں کے ایک گمراہ فرقے ”الذکریۃ“ کے تعارف میں لکھتے ہیں: ”یہ جماعت اکثر و بیشتر مکران اور

بلوچستان (صوبہ) میں ہے، اگرچہ کچھ دوسرے شہروں میں بھی ہیں۔ اس جماعت کا بانی ”ملاحمد“ اٹک شہر، صوبہ پنجاب کا رہنے والا تھا۔ اس نے ”مہدی“ ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا، ”برہان“ نامی کتاب لکھی، جس میں یہ اظہار کیا کہ ”شریعت محمدی“ منسوخ ہوگئی اور ”شریعت مہدی“ جاری ہوچکی ہے۔ آپ اس کے امتی ہیں اور نماز، روزہ، حج اور قبلہ کی اب کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ تمام امور اب منسوخ ہو گئے ہیں۔

اس فرقہ سے وابستہ ایک شخص نور الدین بن کمالان پنجگوری لکھتے ہیں کہ: (ترجمہ) جس نے جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھی، اس نے مہدی کی شریعت کے مطابق غلطی کی اور برا کام کیا۔ حقیقت میں کافر کوئی بھی نہیں ہوتا، لیکن جس نے جمعہ اور عید کی نماز پڑھی وہ کافر ہے۔ پانچ وقت نمازیں پڑھنا ناجائز اور فاش غلطی ہے۔ (ضمیمہ، ص ۱۲۱)

اس کتاب کے آخر میں ہے: ”تمت تمام شد روئے نمازی سیاہ شد“

(کتاب پوری ہوئی اور نمازی کا منہ کالا ہوا)

(احسن الخطاب فی تفسیر اُم الکتاب، ص 326-330)

اپنے پیش روؤں کی تقلید کرتے ہوئے عزیز اللہ بوہونے بھی نماز کی شرعی حیثیت اور کیفیت کا کھلے بندوں انکار کیا ہے۔ اس نے نماز کی شرعی حیثیت کے رد میں بیسیوں صفحات سیاہ کیے ہیں۔ اس نے اپنی مختلف کتابوں مثلاً: ”فقہ القرآن، احسن الحدیث، قرآن مجبور، قرآن کے علاوہ کسی کی بھی تابعداری نہ کریں اس کو ولی سمجھ کر، کیا ہماری نمازیں قرآنی صلوٰۃ ہے، صلوٰۃ اور نماز میں فرق“ وغیرہم میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور موجودہ نماز کا رد کیا ہے۔ ان کتابوں میں سے کچھ اقتباس عرض کرتا ہوں اور آخر میں اس حوالے سے کچھ معروضات عرض رکھوں گا۔ ان شاء اللہ

موصوف لکھتے ہیں:

۱) قرآن حکیم کا نہایت اہم اصطلاحی لفظ ”صلوٰۃ“ وہ اپنے ما قبل اور ما بعد کے تناظر میں پڑھا جائے تو اس کا اصل معنی اور مفہوم ”ایک نظام مملکت چلانے والا“ ثابت ہوتے نظر

آئے گا، جبکہ مسلم امت کے سب فرقے اور ان کے مزعومہ امام اور ان فرقوں کا علمی فکری دار و مدار خلاف قرآن روایتوں پر ہے، ان سب کے ہاں لفظ صلوٰۃ کی معنی مروج گھروں اور مساجد میں پڑھی جانے والی ”نماز“ مراد ہے، جس کا حکومتی نظام چلانے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ (قرآن کے علاوہ کسی کی بھی تابعداری نہ کریں اس کو ولی سمجھ کر ص 82)

۲) حضرت موسیٰ کو اپنے غلاموں کو فرعون سے آزادی دلوانے کے لیے فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا، اس کے اس مین کا زکذہن میں رکھتے ہوئے اس فرمان ربی پر غور کیا جائے گا تو ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ یعنی موسیٰ کو جس صلوٰۃ کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ تھی غلام قوم کو آزادی دلوانا۔ آج کل قرآن حکیم کے ترجمے کرنے والے اکثر و بیشتر ”صلوٰۃ“ لفظ کا معنی ”نماز“ لکھتے ہیں۔ اس ترجمے پر غور کرنا چاہیے کہ اگر ان کی نمازیں غلام قوموں کو آزادی دلوانے میں کام آسکتی ہیں تو ترجمہ صحیح ہے، اگر نماز پڑھنے کے بعد بھی نمازی خود ہی غلام ہیں تو معنی میں شک سمجھا جائے گا۔ (فقد القرآن ص 64)

۳) قرآنی حکم ﴿اقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ”قائم کرو قرآن والا نظام اور منشور، اس کی تابعداری اور پیروی کرنے سے۔ (احسن الحدیث ص 20)

۴) قرآن حکیم کے حکم ”اقیمو الصلوٰۃ“ یعنی قرآن کے دیے ہوئے نظام حکمرانی کا اتباع کرو، اس کی پیروی کرو۔ (صلوٰۃ اور نماز میں فرق ص 4)

۵) اب سوچیں کہ اس آیت میں مومنین کے وصف ”یقیمون الصلوٰۃ“ سے اگر حکیم مانی مجوسی کی ایجاد کردہ آتش پرستی والی مروج نماز مراد لیں گے تو رزق کی عوام تک سپلائی کا مفہوم حاصل نہیں ہو سکتا اور جو قرآن حکیم نے اپنے اصطلاحی لفظ الصلوٰۃ کے معنی اتباع قوانین قرآن خود متعین کر کے سمجھائے ہیں (32-31 75) تو یہ معنی بھی نماز پر فٹ نہیں آتے چونکہ نماز کا لفظ غیر عربی اور فارسی زبان کا ہے۔ اس لیے صلوٰۃ جدا چیز ہے اور نماز جدا چیز ہے۔ صلوٰۃ نماز نہیں اور نماز صلوٰۃ نہیں۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں صلوٰۃ کی تفصیلات

پارلیمنٹ کے ذریعے سے طے کرنی ہوتی ہے۔ (38.42)

(کیا ہماری نمازیں قرآنی صلوٰۃ ہے؟ ص 16-17)

۶) میرے خیال میں اس سورت ماعون کی تفسیر اور تفصیل سے صلوٰۃ اور اقامۃ الصلوٰۃ کو قرآن حکیم نے باقاعدہ کھول کھول کر سمجھایا ہے کہ لفظ صلوٰۃ اور حکم اقامۃ الصلوٰۃ یہ کوئی بند چار دیواری میں پڑھی جانے والی چیز نہیں ہے، اقامۃ الصلوٰۃ کا تعلق قرآن کے دیے ہوئے نظام مملکت، نظام ریاست، نظام معاشرت سے ہے، اس حد تک جو مصلیٰ کے ذمہ داروں کو قریہ بقریہ گلی گلی گھوم پھر کر چیک کرنا ہے کہ معاشرہ کا کوئی فرد بھوکا تو نہیں رہ گیا، بے علاج تو نہیں سسک رہا، کسی کو چھت کے سایہ کے بغیر سردی یا گرمی سے پریشانی تو نہیں ہے، کوئی لباس سے محروم تو نہیں ہے۔ یاپانی سے محروم کوئی پیاسا تو نہیں ہے۔ (118-20)

(کیا علم حدیث قرآن کی تفسیر کر سکتا ہے؟ ص 53-54)

معزز قارئین کی خدمت میں ”إقامة الصلوٰۃ“ کے شرعی اصطلاح کے حوالے سے عزیز اللہ بوہیو کے خیالات اور نظریات کو پیش کیا ہے۔ موصوف نے ”صلوٰۃ“ اور ”اقامۃ الصلوٰۃ“ کا جو ترجمہ کیا ہے یا اس کا جو خلاصہ پیش کیا ہے، وہ قرآن، حدیث اور فہم سلف کے بالکل برعکس ہے۔ اس کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے، وہ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خوف الہی نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اسی لیے تو اس نے یہ کچھ رقم کیا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے وقت قرآن حکیم، حدیث مبارکہ اور فہم سلف کو بالائے طاق رکھ کر اگر کوئی شخص قلم اٹھاتا ہے تو ٹھوکریں کھانا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ قرآن مجید میں استعمال کی گئی شرعی اصطلاحات کا خلاصہ صرف لغت عربیہ کی بنیاد پر کرنے سے کبھی بھی نہ کوئی صراط مستقیم کو پہچان سکے گا اور نہ ہی اس پر چل سکے گا۔ ”صلوٰۃ“ اور ”إقامة الصلوٰۃ“ کے حوالے سے موصوف خود لکھتے ہیں کہ امت مسلمہ کے جتنے بھی فرقے ہیں، وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ”صلوٰۃ“ کا ترجمہ ”نماز“ ہی ہے۔ ٹھیک اسی طرح نماز کی موجودہ شکل و صورت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، بلکہ سینکڑوں

مسائل نماز پر بھی اجماع ہے۔ (الاجماع ص 35-31)



اجماع امت حجت اور شرعی دلیل ہے۔ اس کے متعلق گذشتہ صفحات میں سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

اور جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں کی راہ کو چھوڑ کر چلے ہم اس کو ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا، اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ (النساء: 115)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”وَلَكِنْ قَدْ تَكُونُ الْمُخَالَفَةُ لِنَصِّ الشَّارِعِ، وَقَدْ تَكُونُ لِمَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ فِيمَا عُلِمَ اتِّفَاقُهُمْ عَلَيْهِ تَحْقِيقًا، فَإِنَّهُ قَدْ ضُمِنَتْ لَهُمُ الْعِصْمَةُ فِي اجْتِمَاعِهِمْ مِنَ الْخَطَا تَشْرِيفًا لَهُمْ وَتَعْظِيمًا لِنَبِيِّهِمْ، وَالَّذِي عَوَّلَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْإِحْتِجَاجِ عَلَى كَوْنِ الْإِجْمَاعِ حُجَّةً تَحْرُمُ مُخَالَفَتَهُ هَذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ بَعْدَ التَّرْوِي وَالْفَكْرِ الطَّوِيلِ.....“

اور کبھی مخالفت کسی نص شرعی کی ہوتی ہے اور کبھی کسی ایسے مسئلے کی جس پر پوری امت کا اجماع ہو اور ان کا یہ اتفاق تحقیقی طور پر ثابت شدہ ہو، کیونکہ پوری امت کا اجماع ان کی عصمت کی ضمانت ہے، جو کہ ان کے شرف اور ان کے نبی (ﷺ) کی عظمت کا باعث ہے..... اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بڑے غور اور فکر کرنے کے بعد اس آیت میں سے اتفاق اور اجماع امت کے دلیل ہونے اور اس کی مخالفت حرام ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم 738/1 طبع کویت)

امام بیہقی رحمہ اللہ، اسماعیل بن یحییٰ المزنی اور امام ربیع بن سلیمان رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں: ہم ایک دن امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے، اسی اثنا میں ایک عالم آیا، جس نے کہا کہ میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔ امام موصوف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھلے

پوچھیں، اس نے کہا: دینی مسائل میں کون سی چیز صحت اور دلیل ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: قرآن کریم، پھر کہا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی حدیث۔ اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: امت کا اتفاق اور اجماع۔ تب اس سائل نے سوال کیا کہ اجماع کے لیے قرآن کریم میں کہاں ثبوت ہے؟

اس پر امام موصوف رحمہ اللہ کچھ دیر کے لیے غور کرنے لگے۔ اس عالم نے کہا کہ آپ کو تین دن تک اجازت ہے، امام موصوف رحمہ اللہ کا چہرہ فکر کی وجہ سے کچھ متغیر ہوا۔ پھر وہ چلا گیا۔ تین دن کے بعد جب آپ گھر سے باہر نکلے تو وہ عالم آیا اور کہا کہ میرا سوال پورا کیا جائے۔ امام موصوف رحمہ اللہ نے أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: 115)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سبیل المؤمنین کی مخالفت کرنے سے جہنم کی وعید اس لیے ہے کہ اس کی متابعت فرض ہے۔ پھر اس عالم نے کہا: آپ نے سچ کہا ہے۔ پھر وہ روانہ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے خلاف نہ ہو۔ اس لیے امام موصوف رحمہ اللہ نے پہلے ان دو چیزوں کا ذکر کیا۔ لہذا قرآن اور حدیث کی مخالفت میں نہ کبھی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا۔ (احکام القرآن 39/1 دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مذکورہ بحث کا ماحصل یہ ہے کہ اجماع امت بھی حجت اور دلیل ہے۔ امت مسلمہ نہ کبھی گمراہی پر جمع ہوئی اور نہ کبھی ہوگی۔ ان شاء اللہ

عزیز اللہ بویہو جب خود لکھتا ہے کہ امت کے اکثر و بیشتر فرقے ”صلوٰۃ“ سے مراد ”نماز“ لیتے ہیں تو ہم پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ اجماع امت کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ اجماع امت کا مسئلہ تو قرآن مجید نے بتایا ہے اور حدیث میں تو اس کی شرح موجود ہے۔ بویہو ویسے تو حدیث کا منکر ہے، لیکن یہاں تو وہ منکر قرآن نکلا ہے۔ قرآن مجید



نے نبیل المؤمنین کی مخالفت کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم بتایا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا
عزیز اللہ ہو یہو کے کیے گئے ترجمے اور خلاصے کے مطابق صلوة کے معنی بنے گا: ”قامم
کریں قرآن والے نظام اور منشور کو، اس کی تابعداری اور پیروی کرنے سے“
قرآن حکیم کے ترجمے، تفسیر، سلف صالحین کی تشریح سے ہٹ کر اس جگہ پر ہم منکرین
حدیث سے پوچھتے ہیں کہ زندگی کے کون سے شعبے میں قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی
اور تابعداری کریں۔ کیوں کہ آپ نے ”اقامة الصلوة“ کا جو ترجمہ اور خلاصہ پیش کیا
ہے، اس میں کسی قسم کی بھی صراحت نہیں ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اگر ہم سورة النساء
کی آیت نمبر 43 میں طہارت حاصل کرنے کے حکم کو سامنے رکھ کر قرآن والے نظام اور منشور
کی پیروی اور تابعداری کرنے کا ارادہ رکھیں تو پھر قرآن مجید میں مندرجہ ذیل باتیں کہاں
موجود ہیں: شوہر اپنی بیوی کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے آئے تو کیا وہ کسی دعا
وغیرہ پڑھنے کا پابند ہے یا نہیں؟ شرعی غسل اکٹھا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک ہی برتن میں سے
شوہر اور بیوی پانی لے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی غسل کرنے سے پہلے شوہر اور بیوی وضو کرنے
کے پابند ہیں یا نہیں؟ شرعی غسل کے لیے وہی وضو کیا جائے گا جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے یا
اس میں کچھ تبدیلی کرنی ہے؟ جسم پر پانی کس ترتیب سے بہایا جائے؟ بیوی سر کے بال
کھولے گی یا نہیں؟ غسل کرنے کے بعد جسم کو کسی تو لیے یا کپڑے وغیرہ سے صاف کیا جا
سکتا ہے یا نہیں؟ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے کوئی دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ بیت الخلاء
میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھا جائے یا بائیں پاؤں؟ بیت الخلاء میں بیٹھتے
وقت منہ اور پیٹھ بیت اللہ کی طرف کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ پیشاب اور پاخانے کی صفائی
کے لیے کتنے ڈھیلے یا پتھر وغیرہ لیے جائیں؟ کسی ہڈی، لید یا گوبر وغیرہ سے پاکی حاصل کی
جاسکتی ہے یا نہیں؟ صفائی دائیں ہاتھ سے کی جائے یا بائیں سے؟ بیت الخلاء میں سے نکلتے
وقت پہلے کون سا پاؤں باہر نکالنا چاہیے اور کوئی دعا وغیرہ بھی پڑھنی چاہیے؟ جس ہاتھ سے
صفائی کی گئی ہے اس کو زمین پر گرگڑا جائے یا نہیں؟ منہ کی صفائی کے لیے مسواک کرنا چاہیے یا

نہیں؟ کون سے درخت کی مسواک بہتر اور سنت ہے؟ حیض اور نفاس کے خون میں کیسے تمیز کی جائے؟ حیض کی حالت میں شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کھاپی سکتا ہے یا نہیں؟ حیض کے ختم ہونے پر ایک عورت کیسے پاک ہو؟ اگر کسی شخص کو پیشاب کے قطرے گرنے کی تکلیف (سلسل البول کی بیماری) ہو تو اس کے لیے وضو کا کیا حکم ہے؟ شہوت کی کثرت کی بنیاد پر نکلنے والی ”مدی“ اور پاکی کا مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور پوچھتا ہے کہ قرآن مجید میں نیچے ذکر کی گئی باتیں کہاں ہیں؟
رات کو بستر وغیرہ پر سونے سے پہلے وضو کیا جائے یا نہیں؟ بستر کو کسی کپڑے وغیرہ سے جھاڑا جائے یا نہیں؟ سونے سے پہلے دعائیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟ اگر پڑھنی چاہئیں تو کون کون سی دعائیں؟ کتنی کتنی مرتبہ اور کس طرح پڑھی جائیں؟ دائیں کروٹ پر سونا چاہیے یا بائیں کروٹ پر؟ سوتے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ جب نیند سے اٹھیں تو کون سی دعا پڑھیں؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کرنے کا شوق رکھتے ہوئے پوچھے کہ اس کو قرآن مجید کی تعلیم کی روشنی میں بتایا جائے کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے چاہئیں یا نہیں؟ کھانا کھانے سے پہلے کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ اگر کھانا کھانے سے پہلے دعا پڑھنا بھول جائے اور کھاتے ہوئے یاد آ جائے تو پھر کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا جائے یا بائیں ہاتھ سے؟ اگر ایک ہی برتن میں بہت سارے لوگ اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو اس صورت میں کھانے کے کیا آداب ہیں؟ پیٹ کے برتن کو کس حد تک کھانے سے بھرا جائے؟ جس برتن میں کھانا کھایا جا رہا ہے اس کو آخر میں صاف کیا جائے یا ویسے ہی چھوڑا جائے؟ کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے یا نہیں؟ کھانا کھاتے اگر دسترخوان پر کھانے میں سے کچھ حصہ گر جائے وہ اٹھا کر کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کھانا کھانے کے بعد کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ میزبان کے حق میں کون سے



دعاۓ کلمات ادا کرنے چاہئیں؟ جمعۃ المبارک کے دن کچا لہسن یا پیاز کھا کر مسجد میں آنا چاہیے یا نہیں؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے معلوم کرے کہ مرد ہونے کے ناتے ریشمی لباس پہن سکتا ہے یا نہیں؟ مرد اپنی شلوار، ازار یا اپنا جامہ وغیرہ کہاں تک لٹکا سکتا ہے اور اس حوالے سے عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ عورت سر کو ننگا رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ باریک کپڑے پہننے والی عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ ایک مرد سونے کی انگوٹھی وغیرہ پہن سکتا ہے یا نہیں؟ مرد سر پر کالی پگڑی باندھ سکتا ہے یا نہیں؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کرنے کا عزم مصمم رکھتے ہوئے پوچھے کہ اس کو بتایا جائے کہ کون سی خوبیاں رکھنے والی عورت سے شادی کرے؟ شادی سے پہلے ہونے والی بیوی کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ لڑکی کے وارث کا راضی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ نکاح کے شاہد ہونے چاہئیں یا نہیں؟ نکاح کے کچھ کلمے ادا کرنے ہیں یا نہیں؟ بیوی کو گھر لانے پر کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ دولہے کو کون سی دعا دینی چاہیے؟ شب زفاف کے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ بیوی اگر دو شیرہ ہو تو کتنے دنوں تک اس کے ہاں ٹھہرنا ہے اور اگر مطلقہ ہے تو کتنی میعاد تک اس کے ہاں ٹھہرا جائے؟ ولیمہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ طلاق، خلع اور لعان کی شرعی صورت کیا ہے؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے پوچھے کہ سود کیا ہے؟ سود ادھار میں ہوتا ہے یا نقد میں؟ بیع سلم، بیع مزایہ، بیع مخاہرہ، بیع محاقلہ، بیع معاومہ، بیع ثنیا اور بیع عرایا سے کیا مراد ہے؟ ذخیرہ اندوزی کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں، کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں بنا ہے، کیا وہ اس چیز کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ زمین مقاطعہ پردی جاسکتی ہے یا نہیں اور زرعی پانی فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کرنے کا پختہ ارادہ رکھتے ہوئے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں آنے اور زمانے کے حوادث اور فتنوں سے بچنے کے لیے صبح اور شام کون کون سی دعائیں اور کتنی مرتبہ پڑھنی چاہئیں؟ دن، شام اور رات کے کون سے اذکار ہیں؟ نماز جنازہ میں کون سی دعاؤں کا اہتمام کیا جائے؟ گھر سے نکلنے، سفر پر جانے سے پہلے، سواری پر بیٹھنے کے بعد کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ بیمار اور مریض پر کون سی دعاؤں سے اور کس طریقہ سے دم کیا جائے؟ لڑائی کے موقع اور مشکل میں پھنسے مسلمانوں کے لیے کون سی دعائیں اور کس طریقہ سے پڑھنی چاہئیں؟

ایک مسلمان قرآن والے نظام اور منشور کی پیروی اور تابعداری کا ذہن بنانے کے بعد معلوم کرنا چاہے کہ سکرات الموت کی حالت میں مسلمان (مرد و عورت) کو کن کلمات کی تلقین کی جائے؟ مرنے کے فوراً بعد آنکھوں کا کیا کیا جائے؟ عزیز واقارب اور دوست و احباب کو مطلع کیا جائے یا نہیں؟ کفن کا انتظام کیا جائے یا نہیں؟ اگر ہاں تو مرد اور عورت کا کفن کس طرح تیار کیا جائے؟ میت کو غسل دیا جائے یا نہیں؟ اگر ہاں تو پانی ٹھنڈا ہو یا گرم، اس میں کچھ ملا لیا جائے یا نہیں؟ غسل سے پہلے میت کو وضو کرایا جائے یا نہیں؟ اس دوران کوئی خوشبو استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نماز جنازہ اور اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ قبرستان میں داخل ہونے سے پہلے کوئی دعا پڑھنی ہے یا نہیں؟ میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے؟ تدفین کے بعد میت کی بخشش کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے یا نہیں؟ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہوتے ہیں تو کون سے سوال ہوتے ہیں؟ اگر میت نیک ہے تو کیا جواب دیتی ہے اور اگر میت بدکار، فاسق، فاجر اور کافر وغیرہ ہے تو کیا کہتی ہے؟ تعزیت کیا ہے اور کن الفاظ سے اور کیسے کی جاتی ہے؟ کون سے کام ہیں جن کا ثواب میت کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے؟

(جاری ہے، ان شاء اللہ)



ابوالاسجد محمد صدیق رضا

خليفة والی حدیث اور رجسٹرڈ جماعت (قسط: ۱)

مسعود (بی ایس سی) صاحب نے اپنے خیال کے مطابق اپنی رجسٹرڈ جماعت کی بنیاد صحیحین کی حدیث ”تلزیم جماعة المسلمین و امامهم“ پر رکھی اور الفاظ ”جماعة المسلمین“ کو ایک گروہ کا نام قرار دے کر خود اپنی طرف سے اپنی تنظیم کا یہ نام رکھ لیا۔

قرآن وحدیث کو سمجھنے کا اصول یہ ہے کہ انھیں قرآن وحدیث ہی سے سمجھا جائے لہذا اہل علم حضرات نے دیگر دلائل بالخصوص حدیث بالا کے دیگر طرق ان کے سامنے پیش کر کے انھیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن مسعود صاحب اور ان کے فرقہ کے لوگ صحیح احادیث سے ثابت ہونے والے مفہوم کو تسلیم کر لینے کی بجائے اپنے خود ساختہ وجدید مفہوم پراڑے رہے اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس حدیث کے دیگر طرق کو رد کرنے لگے۔ ذیل میں اس حدیث کے بعض طرق ملاحظہ کیجیے:

۱) صحیح مسلم کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ امام مسلم کی یہ عادت ہے کہ جب ایک ہی حدیث کے مختلف طرق ہوں اور ان کی شرط پر صحیح ہوں تو عموماً وہ اس حدیث کے مختلف طرق کو ایک ہی جگہ جمع کر دیتے ہیں، اس سے حدیث کو سمجھنا قدرے آسان ہو جاتا ہے۔ الغرض امام مسلم حدیث ”تلزیم جماعة المسلمین“ کے بعد دوسری سند سے نقل کرتے ہیں: ”قَالَ حَدِيثُهُ بْنُ الْيَمَانِ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا بِشَرٍّ، فَجَاءَ اللَّهُ بِخَيْرٍ، فَتَحْنُ فِيهِ، فَهَلْ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْخَيْرِ شَرٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: هَلْ وَرَاءَ ذَلِكَ الشَّرِّ خَيْرٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَهَلْ وَرَاءَ ذَلِكَ الْخَيْرِ شَرٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: كَيْفَ؟ قَالَ: يَكُونُ بَعْدِي أُمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهَدَايَ، وَلَا يَسْتَنُونَ بِسُنَّتِي، وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ، قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ؟ قَالَ: تَسْمَعُ

وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ، فَاسْمَعْ وَأَطِعْ“

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم شر میں تھے اللہ تعالیٰ خیر لے آیا، اب ہم اس (خیر) میں ہیں، تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ فرمایا: ہاں، میں نے کہا: پھر اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگی؟ فرمایا: ہاں، میں نے کہا: اس خیر کے بعد شر ہے؟ فرمایا: ہاں، میں نے کہا: کیسا؟ فرمایا: میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو میری ہدایت پر نہیں چلیں گے اور میری سنت نہیں اپنائیں گے، ان میں ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جن کے دل شیاطین جیسے انسانی جسموں میں ہوں گے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں ان حالات کو پاؤں تو کیا کروں؟ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: تم امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ تمہاری پیٹھ پر مارے اور تمہارا مال چھین لے، تم سننا اور اطاعت کرنا۔ (صحیح مسلم: 4785)

یہ بالکل وہی حدیث ہے البتہ کچھ الفاظ مختلف ہیں اور اس میں کچھ اختصار ہے، نیز ”امام“ کے بجائے اس میں ”امیر“ کا لفظ ہے۔

۲) امام ابو بکر احمد بن عمرو البزار رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند سے یوں نقل کیا:

”عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةً أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ، وَشَرٌّ فَجَاءَ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بِهِذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ فِتْنَةٌ، وَشَرٌّ قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، هُدًى عَلَى دَخْنٍ قُلْتُ: وَمَا دَخْنُهُ؟ قَالَ: تُهْدَوْنَ بِغَيْرِ هُدًى مِنْهُمْ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ أَلْقَوْهُ فِيهَا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، صَفِّهُمْ لَنَا، قَالَ: يَتَكَلَّمُونَ بِاللَّسِنَتَيْنَا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي؟ يَعْنِي: ذَلِكَ الزَّمَانُ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ النَّاسِ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ



لَهُمْ جَمَاعَةٌ؟، قَالَ: فَاصْبِرْ، وَلَوْ أَنَّ تَعْصَّ عَلَى شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ
الْمَوْتُ، وَأَنْتَ كَذَلِكَ“

(البحر الزخار المعروف بمسند البزار ج 7 ص 364 حدیث: 2962 وسنده صحیح)

یہ بھی وہی حدیث ہے لیکن اس میں ”جماعة المسلمين“ کے بجائے ”جماعة
الناس“ کے الفاظ ہیں۔

۳) امام ابو داود و سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے اس کا یہ طریق
نقل فرمایا: ”قَالَ حَدِيثُهُ: إِنَّ النَّاسَ كَانُوا يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ
الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ، فَأَحَدَقَهُ الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ، فَقَالَ: إِنِّي
أَرَى الَّذِي تُنْكِرُونَ، إِنِّي قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ هَذَا الْخَيْرَ الَّذِي
أَعْطَانَا اللَّهُ، أَيْكُونُ بَعْدَهُ شَرٌّ كَمَا كَانَ قَبْلَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ قُلْتُ: فَمَا الْعِصْمَةُ
مِنْ ذَلِكَ؟ قَالَ: السَّيْفُ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ثُمَّ مَاذَا يَكُونُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ
لِلَّهِ خَلِيفَةٌ فِي الْأَرْضِ فَضْرَبَ ظَهْرَكَ، وَأَخَذَ مَالَكَ، فَأَطْعَمَهُ، وَإِلَّا
فَمُتْ، وَأَنْتَ عَاظٌ بِجَذَلِ شَجَرَةٍ.....“ (سنن أبي داود: 4244 وسنده حسن)

یہ بھی وہی حدیث ہے لیکن اس میں امام کے بجائے ”خليفة“ کا لفظ ہے۔ طریق بالا
کی سند میں قتادہ کا معنی ہے۔ لیکن دوسرا طریق جو ہے اس میں قتادہ نہیں۔ امام ابو داود نے
دوسری سند سے یہ طریق نقل فرمایا:

”فَإِنْ لَمْ تَجِدْ يَوْمَئِذٍ خَلِيفَةً فَاهْرُبْ حَتَّى تَمُوتَ، فَإِنْ تَمُتَ وَأَنْتَ عَاظٌ“
اگر تو اس وقت کسی خلیفہ کو نہ پائے تو بھاگ جانا یہاں تک کہ تجھے موت آجائے، اگرچہ
موت اس حال میں آئے کہ تو (بڑی) چبانے والا ہو۔ (سنن أبي داود: 4247)

حدیث کے اس طریق سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث ”تلزم جماعة
المسلمين و امامهم“ یا حدیث ”تلزم جماعة الناس و امامهم“ میں امام و
امیر سے مراد اہل اسلام کا خلیفہ ہے کسی بھی خود ساختہ جماعت کا سربراہ ولید نہیں۔

گویا یہ طریق مسعود صاحب کے اختیار کردہ موقف کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے، ان کی بنائی ہوئی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دیتا ہے تو مسعود صاحب نے اس طریق کے رد کرنے کے لیے خوب زور صرف فرمایا۔ جب اسے رد کرنے کے لیے کوئی حقیقی اور ٹھوس دلیل دستیاب نہ ہوئی تو مختلف حیلوں بہانوں سے اسے رد کرتے ہوئے اس کی سند و متن پر چند لغو و لالیعنی اعتراضات کر کے اس سے جان چھڑانے اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی ٹھان لی۔ حتیٰ کہ کھلی غلط بیانی و دروغ گوئی سے بھی گریز نہیں کیا اور ان کے مقلدین بھی اسی روش پر چل پڑے۔

افسوسناک امر تو یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ نظریہ کے دفاع، فرقہ بچائے رکھنے اور اس طرح کی دو حدیثیں رد کرنے کے لیے ایسے اصول وضع کئے گئے جن سے پورے کا پورا ذخیرہ احادیث ہی مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کے اسلوب پر بھی حرف گیری ہوتی ہے۔

اپنی رجسٹرڈ پارٹی میں دفاع حدیث کے ماہر سمجھے جانے والے مسعود صاحب محض اپنے نظریہ کے دفاع میں خود منکرین حدیث جیسے اعتراضات کرنے سے بھی نہ چو کے۔ منکرین حدیث کے شکوک و شبہات میں جو اصول و ضوابط اور جوابات دیتے رہے، اس حدیث کو رد کرتے ہوئے ان اصول و ضوابط اور اپنے ہی معقول جوابات کو فراموش کر بیٹھے۔

افسوس کہ اہل علم سے دوری اختیار کر کے مقلدین کا ایک مختصر سا ٹولہ جو اپنے گرد اکٹھا کر پائے، ان میں کوئی بھی علم میں اتنی دلچسپی نہیں رکھتا کہ ان کی غلطیوں کی ہولناکی و سنگینی کا احساس کر پاتا اور اپنے فرقہ کے امام کی اصلاح کر پاتا اور انھیں ایسے باطل اصول گھڑنے سے دلائل کے ساتھ روک پاتا، بس جی حضوریوں اور ہر بات پر ماشاء اللہ، سبحان اللہ کہنے والے اور یہ کہنے والے کہ مسعود صاحب نے جو کام کر دیا وہ ماضی قریب اور اس دور میں کوئی نہیں کر سکا۔

اللہ گواہ ہے کہ یہ باتیں محض مبالغہ آمیزی و داستان گوئی نہیں اور نہ ہی تعصب و



جانبداری کی وجہ سے ہیں بلکہ ایسے ٹھوس حقائق ہیں کہ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل مکمل ثبوت وحوالہ جات اور واضح دلائل و بینات کے ساتھ آپ کے سامنے ہوگی، ان شاء اللہ۔
یاد رہے! مسعود صاحب نے اس حدیث پر اپنے مختلف کتابچوں اور پمفلٹ میں کلام کیا ہے، جیسے:

۱: الجماعة القدیمة

۲: حدیث ”تلازم جماعت المسلمین و إمامهم“ اعتراض و جواب

(صفر 1411ھ)

۳: جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات (صفر 1416ھ)

۴: مریکوں نہیں جاتے؟ (ذوالقعدہ 1416ھ)

۵: اعتراضات اور ان کے جوابات (رمضان 1417ھ)

۶: ”ابوداؤد کی خلیفہ والی حدیث ضعیف ہے۔ از مرتاض حسن صاحب (رجب 1417ھ)

۷: فتنے کیوں اٹھتے ہیں؟ از یوسف اسحاق مدیر المسلم

خلیفہ والی حدیث کی سند پر اعتراضات

مسعود احمد صاحب نے اس حدیث کی سند و متن ہر دو پر کچھ الٹے سیدھے تبصرے کیے ہیں، پہلے سند پر ان کے اعتراضات اور ان کی حقیقت ملاحظہ کیجیے:

سند پر پہلا اعتراض: مسعود صاحب نے لکھا: ”ان تمام سندوں میں ایک راوی سبیع مشترک ہے، جو کبھی باپ بن جاتا ہے کبھی بیٹا، ایسا راوی جو اپنا نام اور ابنیت بدلتا پھرے بہت خطرناک ہوتا ہے۔“ (الجماعۃ القدیمة ص 21، آئینہ دار ص 507)

ایک تابعی پر مسعود صاحب کا باطل سبب و شتم

جواب: یہی اعتراض مسعود صاحب نے بعض دیگر کتابچوں میں بھی دہرایا ہے۔ حالانکہ یہ محض مسعود صاحب کا الزام ہے، آخر مسعود صاحب نے کس کتاب میں یہ بات

پڑھ لی کہ سبیح کبھی باپ بن جاتا ہے اور کبھی بیٹا اور اپنی ابنیت بدلتا پھرتا تھا؟ موصوف کی محولہ کتب تہذیب اور تقریب میں تو ایسی کوئی بات نہیں لکھی ہوئی، تہذیب کی اصل عبارت یہ ہے: ”سبیع بن خالد و يقال خالد بن خالد و يقال خالد بن سبيع و قيل فيه سبيعة بن خالد ولا يصح اليشكري البصري . روى عن حذيفة و عن صخر بن بدر و نصر بن عاصم الليثي و قتادة و علي بن زيد بن جدعان و ذكره ابن حبان فى الثقات والعجلي .“ سبیع بن خالد اور کہا جاتا، خالد بن خالد اور کہا جاتا ہے سبیع (نام) کے متعلق سبیع بن خالد بھی کہا گیا اور یہ صحیح نہیں، یہ الیشکری اور البصری ہیں، انھوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور صخر بن بدر، نصر بن عاصم اللیثی، قتادہ اور علی بن زید بن جدعان سے روایت بیان کی ہے، ابن حبان و عجل نے انھیں ثقات میں ذکر کیا۔ (تہذیب التہذیب ج 3 ص 395 رقم الترجمة: 2302) اور تقریب میں اس طرح لکھا ہے:

”سبیع بن خالد و يقال خالد بن سبيع و يقال خالد بن خالد اليشكري البصري مقبول من الثانية“ سبیع بن خالد اور کہا جاتا ہے خالد بن سبیع اور کہا جاتا ہے خالد بن خالد الیشکری البصری طبقہ ثانیہ کے مقبول راوی ہیں۔ (تقریب، رقم: 2216) دیکھ لیجیے سطور بالا میں حافظ ابن حجر کا پورا کلام آپ کے سامنے ہے، اس میں کہیں بھی اُن بہتان کا نام و نشان نہیں جو مسعود صاحب نے ایک ”تابعی“ سبیع پر لگائے کہ کبھی باپ بن جاتا ہے کبھی بیٹا، ابنیت بدلتا پھرے، خطرناک وغیرہ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مسعود صاحب نے اپنی طرف سے کہا۔ کون نہیں جانتا کہ کسی کو ”ابنیت بدلتا پھرنے والا“ کہنا سب و شتم ہے چونکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ باپ بدلتے پھرتے تھے۔ (استغفر اللہ)

بلا دلیل اتنی بڑی بات کہنا یقیناً اتہام و بہتان ہے۔ اگر دافع امام میں یہ کہا جائے کہ جی ”مسعود صاحب نے تو یہ بات اس لیے کہی کہ ”تہذیب“ میں لکھا ہے: ”سبیع بن خالد اور خالد بن سبیع“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیع ابنیت بدلنے والا اور کبھی باپ بن جاتا ہے



اور کبھی بیٹا۔

تو عرض ہے کہ تہذیب کی عبارت سے یہ استدلال یقیناً باطل ہے، چونکہ اس میں تو اس بات کی صراحت بالکل بھی نہیں کہ یہ سب نام سبیح بن خالد خود بتایا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے تو صراحت کر دی کہ ”یقال“ کہا جاتا ہے۔ یہ قطعاً نہیں کہا کہ سبیح خود یہ کہا کرتے تھے۔ بفرض محال یہ ثابت کر بھی دیا جائے کہ یہ سبیح کا اپنا بیان ہے تب بھی ان پر یہ بہتان نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ ابنیت بدلنے والے تھے، چونکہ عرب لوگوں میں ایسا ہوتا تھا کہ باپ اور بیٹے کا نام ایک ہی ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی مثال موجود تھی۔ مسعود صاحب نے لکھا: ”حضرت عبداللہ بن عبد اللہ بن اُبی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کے لڑکے تھے“ (تاریخ الاسلام والمسلمین، ص 944)

عبداللہ رضی اللہ عنہ مومن اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے، اگر بیٹے اور باپ کا ایک ہی نام ہونا غلط ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور ان کا نام تبدیل فرما دیتے۔ بہر حال باپ بیٹے کا ایک ہی نام ہونا ثابت ہے، اس کی مزید مثالیں بھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ سردست رجسٹرڈ جماعت کے لٹریچر کی اس ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اب رجسٹرڈ جماعت والے بتلائیں کہ بیٹے اور باپ کے ایک ہی نام ہونے پر یہ لوگ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی زبان درازی کرنے کو تیار ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ایک غیر مجروح ”تابعی“ پر یہ ”سب وشم“ کیوں؟ المختصر کہ باپ اور بیٹے کا ایک ہی نام ہونا حدیث سے بھی ثابت ہے تو یہ بات قابل جرح نہیں۔

تحقیق یا دھوکہ: مسعود صاحب نے اپنی جماعت بچانے کے لیے اپنے اردو خواں قارئین کو واضح طور پر دھوکہ دیتے ہوئے ایک دوسرے کتابچے میں لکھا: ”اس کا راوی سبیح بن خالد نام بدلتا رہتا ہے، ایک سند میں سبیح بن خالد ہے دوسری سند میں خالد بن خالد تیسری میں یشکری، اس کا نام یہ بھی ہے: خالد بن سبیح اور سبیح (تہذیب) اپنا نام تو مجرم

بدلا کرتا ہے“ (اعتراضات اور ان کے جوابات ص 43، ابوداؤد کی خلیفہ والی حدیث ضعیف ہے ص 3)

اس مختصری ایک عبارت میں مسعود صاحب نے کئی ”دھوکے“ دیے، بالترتیب ملاحظہ کیجیے:

۱: پہلا دھوکہ یہ ہے کہ سبیع نام بدلتا رہتا ہے۔
 ۲: دوسرا دھوکہ یہ ہے کہ ”ایک سند میں سبیع بن خالد دوسری سند میں خالد بن خالد“ سند میں مختلف ناموں کے آجانے میں ”سبیع“ کا کیا قصور ہے؟ اُن سے حدیث بیان کرنے والے کسی شاگرد نے خالد بن خالد نام لے کر اُن کی حدیث روایت کی اور کسی نے سبیع بن خالد، مثلاً ایک سند میں نصر بن عاصم نے ”عن سبیع بن خالد“ کہا۔ (ابوداؤد: 4244)
 دوسری سند میں انھوں نے ”خالد بن خالد الیشکری“ کہا۔ (ابوداؤد: 4245)

صحرا بن بدر الحلی نے ”عن سبیع بن خالد“ کہا۔ (ابوداؤد: 4247)
 مسعود صاحب ایسے طفلِ مکتب تو بہر حال نہیں تھے کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکتے کہ سند میں مختلف نام خود سبیع نے بیان نہیں کیے، لیکن محض بات بناتے ہوئے یہ سب کچھ لکھ گئے۔

۳: تیسرا دھوکہ مسعود صاحب نے یہ دیا کہ ”تہذیب“ کے حوالے سے یہ لکھ دیا کہ ”اس کا نام یہ بھی ہے..... سبیع“

حالانکہ حافظ ابن حجر نے تو تہذیب میں ”سبیع“ نام قیل مجہول کے صیغہ سے نقل کیا اور ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ ”ولا یصح“ یہ درست نہیں۔ لیکن مسعود صاحب نے بلا وضاحت یہ بات بھی ”تہذیب“ کے حوالے سے بیان کر دی!

انصاف سے کہیں کیا تہذیب سے یہ بات نقل کرتے ہوئے مسعود صاحب کو ”قیل“ اور ”ولا یصح“ نظر نہیں آیا ہوگا؟ بس صرف ”سبیع“ پر ہی نظر پڑی؟ عجیب بات ہے کہ دو تین سطروں کی عبارت میں بھی محض مفید مطلب بات نظر آئی ہے۔

نام کا فیصلہ ہی نہ ہو سکا: سند پر دوسرا اعتراض کرتے ہوئے مسعود صاحب نے لکھا:
 ”اس حدیث کا ایک راوی سبیع بن خالد ہے، اس راوی کے نام کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کوئی کہتا ہے سبیع بن خالد..... (تہذیب التہذیب) نام کے اس اختلاف کے باوجود ابن حبان اور



جو تساہلین میں سے ہیں انھوں نے اس کو ثقہ کہہ دیا لیکن حافظ ابن حجر جو نہ متشددین میں سے ہیں اور نہ تساہلین میں سے، انھوں نے ابن حبان اور عجلی کی توثیق پر اعتما نہیں کیا بلکہ اس کو صرف مقبول لکھا۔ (تقریب)

(حدیث تلزم جماعة المسلمین و امامهم، اعتراض و جواب ص 3، آمینہ دار ص 474)

جواب: ”نام کا فیصلہ نہیں ہو سکا“ مسعود صاحب اور ان کی رجسٹرڈ جماعت نے یہ بات ایسے انداز سے بنائی اور پیش فرمائی کہ جیسے راوی کی ثقاہت کا اس سے بہت بڑا اور گہرا تعلق ہے اور اگر ”راوی کے نام کا فیصلہ نہ ہو سکا“ تو وہ توثیق کا درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتا، یا یوں کہیے کہ بس اتنی سی بات سے راوی ”ضعیف“ و ناقابل اعتبار و حجت ٹھہرتا ہے۔ بقول مسعود صاحب کے ”بہت خطرناک“ یا مجرم ہوتا ہے، گویا نام کا فیصلہ از بس ضروری و لازمی ہے۔

جبکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں، علم حدیث، اصول حدیث اور اسماء الرجال کی سرسری سی معلومات رکھنے والے طلبہ بھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں، اصول حدیث یا جرح و تعدیل کے اصول، قواعد و ضوابط میں ایسے کسی اصول کا وجود نہیں۔ کتب اصول حدیث میں ”معرفة من ذکر باسمااء مختلفة أو نعوت متعددة“ کے عنوان سے ”مختلف ناموں اور اوصاف والے راویوں کی معرفت“ سے متعلق بحث موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح، النوع الثامن والاربعون، ص 428، تدریب الراوی 153/2، فتح المغیث 164/3، نزہۃ النظر، ص 157، الشذ الفیاح 580/2 ان میں سے کسی کتاب میں یہ قاعدہ مذکور نہیں کہ ”نام کا اختلاف ضعف کا سبب ہے“ (اگر کسی کو ایسا اصول معلوم ہو تو اس ناچیز طالب علم کے علم میں اضافہ فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائے) حتیٰ کہ خود مسعود صاحب نے ”اصول حدیث“ کے نام سے جو کتابچہ مرتب فرمایا اُس میں بھی ”راوی کی ثقاہت“ کے عنوان سے بہت کچھ لکھا مگر یہ شرط نہیں لکھی، مسعود صاحب کی عبارت ملاحظہ کیجیے، لکھا ہے:

”راوی کی ثقاہت: راوی کی ثقاہت کے سلسلہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اگر سچا ہے تو قوی الحافظ ہے یا ضعیف الحافظ، اگر قوی الحافظ ہے تو کیا ساری عمر وہ

قوی الحافظ ہی رہا یا بعد میں اس کا حافظ خراب ہو گیا، اگر بعد میں حافظ خراب ہو گیا تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُس نے حدیث زیر مطالعہ کو حافظ خراب ہونے سے پہلے بیان کیا تھا یا بعد میں، مجہول الحال تھا یا معروف الحال، اپنے استاد سے اُس کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں، اُس کے عقائد خالصتاً اسلامی تھے یا غیر اسلامی، اس کا تعلق کسی خاص فرقے سے تھا یا نہیں، وہ کسی بدعت کا موجد تو نہیں تھا، وہ کسی بدعت پر عمل کرتا تھا یا نہیں، وہ باعمل تھا یا نہیں، اس کے اعمال سنت کے مطابق تھے یا نہیں، غرض یہ کہ اگر اس میں تمام خوبیاں موجود ہوں تو وہ ثقہ ہو گا۔ اگر اس میں تمام خوبیاں موجود نہ ہوں تو وہ ضعیف ہو گا۔“

غور سے دیکھئے خود مسعود صاحب نے بھی یہ شرط نہیں رکھی کہ ”راوی کی ثقاہت کے سلسلہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کہیں اس کے نام میں اختلاف تو نہیں، اگر نہیں تو ثقہ ہے، اور اگر اختلاف ہے تو ”اپنا نام تو مجرم بدلتا پھرتا ہے“ اور ”جو اپنا نام اور امنیت بدلتا پھرے بہت خطرناک ہوتا ہے“، اور ”مجرم“ و ”بہت خطرناک راوی“ اس قابل نہیں کہ اس کی روایت لی جائے۔ آخر مسعود صاحب نے یہ شرط کیوں نہیں رکھی؟ ظاہری بات ہے ”اصول حدیث“ میں ایسی کوئی ”شرط“ ہے ہی نہیں! اگر اب بھی رجسٹرڈ جماعت کا اصرار ہو کہ سیع سے مروی روایت کو رد کرنے کے لیے مسعود صاحب نے یہ کچھ لکھا یہ ”اصول حدیث“ کا حصہ ہے تو کم از کم یہ لوگ تو مسعود صاحب کے کتابچہ پر ”استدراک“ فرماتے ہوئے اُن کی تحریروں کے حوالے سے اپنے کتابچہ کی جدید اشاعت میں یہ ”زریں اصول“ بھی شامل فرمادیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے اور شاید نہ ہی کریں تو وہ انصاف پسند حضرات یہ جان لیں کہ یہ مسعود صاحب کی خانہ ساز باتیں اور غیر معقول ڈھکوسلے ہیں جو محض اپنی جماعت بچانے کے لیے جناب نے صفحہ قرطاس پر بکھیرے ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں!

المختصر کہ نام کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں کہ جو سب ضعیف ہو۔ حافظ ابن حجر نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا: ”اختلف في اسمه و اسم أبيه“ ان کے اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ (تقریب: 8467)



یہ تو خیر صحابی ہیں (رضی اللہ عنہ) اور کئی مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر بغرض اختصار خود مدعی کی گواہی پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے مسعود صاحب نے لکھا:

”اعتراض: عمیر بن اسود؟؟ کے نام میں اختلاف ہے“

جواب: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”عمیر بن الأسود هو عمرو بن الأسود“ یعنی عمیر بن الاسود وہی ہے جس کو عمرو بن الاسود کہتے ہیں۔ کہاں اختلاف ہے ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ (144/8)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: عمرو بن الاسود..... وهو عمیر بن الاسود (8/4) یہ نام تو جزم کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اگر کوئی تیسرا نام ہے تو وہ مجہول کے صیغہ سے بیان ہوا یعنی قیل سے (8/5)..... محدثین کا اجماع ہے کہ وہ علماء ثقات میں سے ہے (8/5) تو ثیق میں کوئی اختلاف نہیں۔“ (اعتراضات اور ان کے جوابات ص 28)

لیجیے جناب! جب اپنا معاملہ آیا تو ”نام“ کے مسئلہ کو اہمیت ہی نہیں دی اور لکھ دیا ”کہاں ہے اختلاف، ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔“ کوئی پوچھے رجسٹرڈ جماعت والوں سے کہ جب ”دو نام“ ہو سکتے ہیں تو ”تین“ کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور اپنی مطلوبہ روایت کے دفاع میں فرماتے ہیں: ”یہ نام تو جزم کے ساتھ بیان ہوئے اگر کوئی تیسرا نام ہے تو وہ مجہول کے صیغہ سے بیان ہوا“ آخر سیبج کے بھی تو تین نام ہیں، اگر چوتھا کوئی نام ہے تو وہ مجہول کے صیغہ سے بیان ہوا ہے اور حافظ ابن حجر نے ”ولا یصح“ کہہ کر اس کا غلط ہونا بھی واضح کر دیا۔ وہاں مسعود صاحب نے کیوں اس بات کو نظر انداز کیا بلکہ دیز پر دے ڈالنے کی کوشش کی؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

جب مفید مطلب مقام پر نام کے اختلاف کے باوجود مسعود صاحب نے یہ وضاحت ضروری سمجھی کہ ”توثیق میں اختلاف نہیں“ تو سیبج سے متعلق کیوں نہیں کہا کہ ”توثیق ہی ثابت ہے جرح کوئی نہیں“؟ سیبج پر تو الٹا خود ساختہ جرح بھی کر دی، آخر کیوں؟ پھر مسعود صاحب نے یہ بھی خوب فرمایا: ”نام کے اختلاف کے باوجود ابن حبان و علی جوئیسا ہلین میں

سے ہیں انھوں نے ثقہ کہہ دیا۔“ گویا نام کا اختلاف ایسی چیز ہے کہ اس بنا پر ثقہ کہنا غلط ٹھہرا؟ اگر یہ کوئی اصول نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ہاں تو پھر عمیر بن الاسود کو اس اصول کے خلاف کیوں کر ثقہ تسلیم کر لیا؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام عجل رحمہ اللہ کو ”تساہل“ کس نے قرار دیا؟ اور یہ بھی کہ امام عجل و امام ابن حبان کے علاوہ کسی ایک محدث نے سبیح کو ”ضعیف“ قرار دیا یا کوئی جرح کی؟ کاش کہ رجسٹرڈ فرقہ پرست ان تمام سوالات کے جوابات دے پائیں یا انصاف کا دامن تھامتے ہوئے اپنی تمام باطل جروحات سے رجوع فرمائیں۔

حافظ ابن حجر نے اعتماد نہیں کیا یا مسعود صاحب کی غلط بیانی؟

افسوس کہ مسعود صاحب اپنے بنائے فرقہ کو بچائے رکھنے کے لیے صریح غلط بیانی و دروغ گوئی سے بھی نہیں کترائے اور لکھ دیا کہ ”ابن حجر..... نے ابن حبان اور عجل کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کو صرف مقبول لکھا۔“ درحقیقت حافظ ابن حجر نے تو یہ قطعاً نہیں بیان کیا کہ میں نے عجل و ابن حبان کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا، یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسعود صاحب کو یہ بات کس نے بتلائی، کیسے معلوم ہوئی؟ ان معلومات کا ماخذ، منبع و مرجع کیا ہے؟ رجسٹرڈ فرقہ پرست تو ان کی باتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لا سکتے ہیں۔ اندھا اعتماد کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم مسلمین تو بلا دلیل و برہان ان کی من گھڑت و خود ساختہ باتیں ماننے کے لیے تیار نہیں، ہمیں تو ثبوت درکار ہیں اور اگر کوئی مقلد یہ سمجھتا ہے کہ یہ مسعود صاحب کی غلط بیانی نہیں تو حافظ ابن حجر کی کسی کتاب سے یہ بات نکال کر دکھائیے، ثبوت پیش کرے۔ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجر اپنی مشہور و معروف تالیف ”فتح الباری شرح صحیح البخاری“ میں حدیث ”تلازم جماعة المسلمين وإمامهم“ کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے ”سبیح بن خالد“ کی یہی حدیث لائے اور لکھا:

”و كذا في رواية خالد بن سبيع عند الطبراني: فإن رأيت خليفة فالزمه“ اسی طرح طبرانی میں خالد بن سبیح کی روایت میں ہے کہ ”اگر خلیفہ موجود ہو تو اسے لازم



پکڑو۔“ (فتح الباری 36/31)

مسعود صاحب تو فوت ہو چکے اب رجسٹرڈ فرقہ والے ان کی اندھی تقلید و جانبداری سے گریز کرتے ہوئے عدل و انصاف کے ساتھ جواب دیں کہ یہ سیبج بن خالد کی توثیق پر ابن حجر کا اعتماد ہے یا عدم اعتماد؟ ہمیں تو رہنے دیں رجسٹرڈ فرقہ کے اصول پر یہ ”عین اعتماد“ ہی ہے، عدم اعتماد کا تو امکان ہی نظر نہیں آتا چونکہ حافظ ابن حجر نے یہ حدیث نقل کر کے ”امام“ سے مراد ”خليفة“ بتلایا اور اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ سکوت فرمایا۔

رجسٹرڈ فرقہ اور حافظ ابن حجر کا سکوت

اگرچہ مسعود صاحب نے بھی کئی ایک جگہ حافظ ابن حجر کے سکوت کا ذکر کیا لیکن رجسٹرڈ فرقہ کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب نے تو بطور اصول یہ بات لکھی کہ ”اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی تو ابن حجر خاموش نہ رہتے، ابن حجر کی خاموشی حدیث کی صحت پر مہر ثبت ہے۔“

(یوسف لدھیانوی صاحب کے چند اعتراضات..... ص 60)

اشتیاق صاحب کے اس قاعدہ کی رو سے تو خلیفہ والی حدیث بھی بالکل صحیح ثابت ہوتی ہے بلکہ بقول اشتیاق صاحب کے ”حدیث کی صحت پر مہر ثبت ہے“ لیکن لگتا نہیں کہ اس مہر صحت کو وہ خلیفہ والی حدیث کے حق میں بھی قبول فرما کر مصنوعی امامت قربان کر دیں اور اپنے قاعدے پر قائم رہیں۔

رجسٹرڈ جماعت کے جو شیلے مقرر و سابق عہدیدار شاہد علی صاحب نے لکھا:

”کیا حافظ ابن حجر کو یہ علت نظر نہیں آئی؟ اگر اس روایت کے متن پر کلام ہوتا تو حافظ ابن حجر اور دیگر محدثین کبھی بھی اس پر سکوت اختیار نہ کرتے یہ ان کی ذمہ داری تھی“ (العلم یرشدون ص 17)

مزید سنئے، ایک دوسرے مقام پر شاہد صاحب نے لکھا:

”ستم ظریفی یہ کہ حافظ ابن حجر کی تصحیح کا امام ترمذی کی تحسین سند سے موازنہ کرنا اور یہ بات لکھ کر حافظ ابن حجر عسقلانی کے معاملے میں شک کا اظہار کرنا انتہائی افسوس ناک طرز عمل

ہے۔ کیا ارشد صاحب نہیں جانتے کہ حافظ ابن حجرؒ کی توثیق اور ان کا کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنا علمائے حدیث کے نزدیک کس قدر قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے؟ اور تو اور خود ارشد صاحب کا پیش کردہ اقتباس ہی اس بات کی دلیل ہے۔“ (لعلہم یرشدون ص 30)

اگر یہ ”ستم ظریفی“ ہے تو خود رجسٹروں فرقہ کے فرقہ پرست نام نہاد علماء کی ”ستم ظریفی“ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو امام ترمذی رحمہ اللہ ایسے متقدم محدث پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کی توثیق یا کسی حدیث پر سکوت کو اپنے مد مقابل و مخالف کے سامنے بطور دلیل و برہان پیش فرماتے ہیں اُن پر جہت قائم کرتے ہیں۔ خود اپنے خلاف انھی حافظ ابن حجر کے سکوت کو خاطر میں نہیں لاتے، آخر اپنی باری میں انھیں یہ اصول کیوں یاد نہیں رہتے؟ اور اپنے اصول جو کہ مکمل ”بے اصولی“ ہی ہے، جس پر نہ صرف یہ کہ بانی فرقہ بلکہ ان کے بنائے رجسٹروں فرقہ کے تمام سرکردہ لوگ اسی بے اصولی پر گامزن ہیں۔

حافظ ابن حجر کا متضاد مقام:

مسعود صاحب اور ان کے مقلدین خاص کا طرز عمل دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ رجسٹروں فرقہ پرست ”نظریہ ضرورت“ پر ہی عمل پیرا ہیں، کبھی تو حافظ ابن حجر کا مقام متقدم محدث امام ترمذی رحمہ اللہ سے بھی بڑھا دیتے ہیں اور جب ان کی کوئی بات انھیں اپنے خلاف نظر آ رہی ہو تو اپنا کہا لکھا سب بھول کر ”نظریہ ضرورت“ کے مطابق مختلف بات کہہ دیتے ہیں۔ اب دیکھئے مسعود صاحب نے امام جرح و تعدیل امام عجل رحمہ اللہ کی توثیق کو نظر انداز کرتے ہوئے محض اپنی مرضی سے انھیں ”مقابل“ قرار دے دیا اور بزعم خود ان کے مقابلہ میں حافظ ابن حجر ایسے متاخر اہل علم کی بات کو بڑی غیر معمولی اہمیت دی، حالانکہ اس سے ایک عرصہ پہلے وہ یہ لکھ چکے تھے کہ: ”ابن حجر امام جرح و تعدیل نہیں ہیں وہ تو صرف ناقل ہیں“ (ذہن پرستی ص 61)

لیجئے حافظ ابن حجر تو ان کے ہاں سرے سے امام جرح و تعدیل تھے ہی نہیں محض ناقل کی حیثیت دے رکھی تھی لیکن جوں ہی ضرورت پڑی ”نظریہ ضرورت“ کے مطابق ان کے

بیان کو اتنی اہمیت دی کہ ان کے بیان کو لے کر متقدمین ائمہ جرح و تعدیل عجل و ابن حبان، حاکم و ذہبی کی توثیق و تصحیح حدیث کو نظر انداز کر بیٹھے، حالانکہ حافظ ابن حجر نے بھی سبیح کو ضعیف نہیں کہا، بلکہ مقبول ہی کہا ہے جو کہ تعدیل ہی کی ایک صورت ہے، جرح قطعاً نہیں۔ سبیح مسعود صاحب کے اصول پر: مسعود صاحب کی کتب میں درج احادیث کے بعض راویوں پر کچھ اعتراضات وارد ہوئے۔ مسعود صاحب نے کس طرح اور کن اصولوں پر انھیں ثقہ ثابت کیا اور ان پر ہونے والی جرح کا کس طرح جواب دیا، اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے، پھر انھی مثالوں پر ”سبیح بن خالد“ کو پرکھ لیجیے۔ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ اگر رجسٹرڈ فرقہ کے افراد بھی تعصب، جانبداری اور تقلید و شخصیت پرستی کا رویہ ترک کر کے عدل و انصاف کے ساتھ غور فرمائیں تو ضرور شرح صدر ہو گا۔ ان شاء اللہ، اور ان پر ظاہر ہو جائے گا محض اپنی خود ساختہ تنظیم کو بچانے کے لیے مسعود صاحب نے ”سبیح“ پر جو لغو و لالیعی اعتراضات کیے، وہ بالکل بے بنیاد اور غلط ہیں۔

پہلی مثال: مسعود صاحب نے لکھا: ”اگر ابن حجر کا یہ قول صحیح ہوتا تو تہذیب میں انھوں نے متقدمین میں سے کسی کا قول ضرور نقل کیا ہوتا۔ کیونکہ متقدمین کا کوئی قول زاذان کی شیعیت کے بارے میں منقول نہیں لہذا ابن حجر کا تبصرہ کا لعدم ہے“ (ذہن پرستی ص 61)

جب ”زاذان کی شیعیت“ کے لیے متقدمین میں سے کسی کا قول ضروری ہے اور واقعی ضروری ہے تو پھر ”سبیح“ کو ”ابنیت بدلنے والا، خطرناک اور مجرم“ قرار دینے کے لیے متقدمین کا قول کیوں ضروری نہیں۔ جب آٹھویں صدی کے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث کا قول کافی نہیں تو چودھویں صدی کے مسعود صاحب کا قول کس طرح کفایت کر سکتا ہے؟ چونکہ سبیح پر اس ”سب و شتم“ کے لیے متقدمین کا کوئی قول منقول نہیں، تو بانی جماعت رجسٹرڈ کا لغو تبصرہ کا لعدم ہے۔ فللہ الحمد

دوسری مثال: مسعود صاحب نے لکھا: ”نحی کو مچھول العین کہا گیا لیکن اس سلسلہ میں کسی امام کا قول پیش نہیں کیا گیا“ (جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص 54)

معلوم نہیں سیچ خطرناک و مجرم کیوں؟ جبکہ امام عجل و ابن حبان نے ثقہ قرار دیا، امام ذہبی نے ان کی روایت کو صحیح تسلیم کر کے اس کی ثقاہت ثابت کر دی اور کوئی جرح نہیں کی۔! چوتھی مثال: حکم بن عتیبہ کی تدلیس کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

”حکم بن عتیبہ کو مدلس کہنے والے صرف ابن حبان ہیں اور وہ ان کے ہم عصر نہیں“

(حوالہ بالا ص 74)

کیا مسعود صاحب نہیں جانتے تھے کہ وہ بھی تو ”سیچ“ کے ہم عصر، ہم زمانہ نہیں بلکہ تقریباً تیرہ سو سال بعد کے ہیں پھر کیوں انھیں ”ابنیت بدلنے والا و خطرناک“ قرار دیا؟ پھر جرح و تعدیل کے لیے ”معاصرت“ کب لازم ہے؟ کیا رجسٹرڈ جماعت والے دیگر راویوں کے سلسلہ میں بھی مسعود صاحب کے اس اصول پر قائم رہیں گے؟ امام حاکم و ذہبی کی تصریح سے سیچ کی ثقاہت کیوں ثابت نہیں ہوئی جبکہ ابن حبان و عجل کی توثیق بھی موجود ہے۔

پانچویں مثال: محمد بن اسحاق پر تدلیس کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

”مدلس کہنے والے صرف امام احمد ہیں اور وہ محمد بن اسحاق کی وفات کے سترہ سال بعد پیدا ہوئے لہذا تدلیس کی تہمت کی کوئی بنیاد نہیں“ (حوالہ بالا ص 71، 70)

اندازہ لگائیے، مفید مطلب روایت کا دفاع کرتے ہوئے صرف ”سترہ سال“ کا فرق بھی برداشت نہیں، وہ بھی مسعود صاحب نے بتلادیا اور محض سترہ سال کے فرق کی وجہ سے جرح رد کر دی، حالانکہ امام احمد عظیم محدث و متفق علیہ امام جرح و تعدیل ہیں۔ محمد بن اسحاق کے نہ سہی لیکن ان کے کئی معاصرین سے شرف تلمذ حاصل ہے، کبار محدثین سے استفادہ فرمایا، اُن سے محمد بن اسحاق کی تدلیس کے متعلق سنا ہوگا، پھر ہزار ہا سندوں پر ان کی نظر تھی، ان کے لیے اس حقیقت تک رسائی ناممکن نہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے مسعود صاحب نے امام احمد کی جرح کو ”تہمت“ قرار دیا! لیکن خود ایک تابعی کو بغیر کسی دلیل کے محض اپنی طرف سے ”ابنیت بدلنے والا اور



خطرناک“ قرار دے دیا اور اپنے اور ان کے درمیان صدیوں پر محیط عرصہ قطعاً یاد نہیں آیا، پس جودل میں آیا کہہ دیا، کیا اس اصول کی موجودگی میں مسعود صاحب یہ سب کچھ کہنے کا حق رکھتے تھے؟ کیا خود ان کے اصول پر بھی سنیع سے متعلق کہی ہوئی ان کی باتیں خالص ترین ”بہتانات“ نہیں؟ کیا خالص دین اسلام پر ایسے عمل ہوتا ہے کہ لوگوں پر بہتان لگاتے پھرو؟ پھر داد دیجیے رجسٹرڈ جماعت کے لوگوں کی تقلیدی روش کو، اندھی تقلید نے اس بات کی اجازت ہی نہیں دی کہ اتنا ہی پوچھ لیتے کہ جناب یہ ”ابنیت بدلتے پھرنے والا اور خطرناک“ قرار دینے کا بہتان کہاں سے دریافت فرمایا؟ بلکہ ان کی تقلید سے بیزار کسی شخص نے جب یہ پوچھا کہ ”کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سنیع بن خالد کبھی باپ بن جاتا ہے اور کبھی بیٹا“؟ تو مبتلائے تقلید نے جوشِ تقلید میں بے دھڑک یہ لکھ ڈالا:

”اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ امیر جماعت المسلمین نے سنیع بن خالد پر احادیث کی اسناد کی تحقیق کے بعد علم و بصیرت کی روشنی میں جرح کی ہے، کسی کی تقلید میں نہیں، تو امان اللہ صاحب یا کوئی اور مخالف محض بغض کی وجہ سے اس کو تسلیم نہیں کرے گا، بہر حال تہذیب التہذیب اٹھا کر دیکھیں اس میں یہ صراحت موجود ہے“ (فتنہ کیوں اٹھے ہیں ص 9)

معلوم نہیں وہ ”تہذیب التہذیب“ کہاں سے دستیاب ہوگی جس میں بانی رجسٹرڈ جماعت کی اس خود ساختہ جرح کا کوئی سراہی مل جائے چہ جائیکہ ”صراحت“؟ ان کا بھی کیا قصور مسعود صاحب کے کتا پچوں میں ”تہذیب“ کا حوالہ اور خود ساختہ جرح دیکھ کر تقلید کا حق ادا کرتے ہوئے یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمارے امیر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے، ان سب کی ”صراحت“ تہذیب میں واقعاً موجود ہے، اسی لیے بڑے وثوق سے لکھ ڈالا ”تہذیب اٹھا کر دیکھیں“ کاش اپنے اس مشورہ پر خود بھی عمل فرما لیتے تو ایسی بے وسرو پابائیں ان سے سرزد نہ ہوتیں۔ فال مقلد جہل والمقلد ذہل!

باقی یہ خوب فرمایا کہ ”علم و بصیرت کی روشنی میں جرح کی ہے، کسی کی تقلید میں نہیں تو..... الخ۔ کاش وہ یہ بھی بیان فرما دیتے کہ جن راویوں پر جرح کرتے ہوئے دیگر محدثین

یا کتب کے حوالے دیے اور ان کے اقوال پیش کیے، وہاں آپ کی اس منطق ”تقلید“ سے کیسے بچ نکلے؟ اپنے امام کا دفاع خوب کیا کہ انھیں مقلد ثابت کر بیٹھے؛ حالانکہ گواہیوں کا قبول کرنا تقلید نہیں!

ممکن ہے موصوف مولف کتابچہ ”فتنہ کیوں اٹھتے ہیں“ برامان جائیں کہ مجھے مقلد کیوں کہا گیا؟ ہم تو تقلید کو شرک سمجھتے ہیں! تو جواباً عرض ہے کہ اس کے باوجود بھی بڑی شدت کے ساتھ مسعود صاحب کی تقلید میں مبتلا ہیں، ثبوت ملاحظہ کیجیے کہ جب ”امان اللہ صاحب“ نے لکھا: ”سیع بن خالد کی تعدیل کرنے والے تین امام ہیں (۱) امام ابن حبان (۲) امام عجلی (۳) حافظ ابن حجر“ تو تہذیب اٹھا کر دیکھیں، کا حکم دینے والے موصوف نے جواباً فرمایا: ”سیع پر جرح کرنے والوں میں حافظ ابن حجر نہیں ہیں، باقی دونوں میں سے اسے کس نے ثقہ کہا ہے؟..... حیرت ہے کہ امان اللہ صاحب نے تعدیل کرنے والے تین اماموں کے نام بھی پیش کر دیے ہیں، معلوم نہیں انھوں نے یہ چیز کس کتاب میں دیکھ لی ہے؟ کیا وہ اس کتاب کا نام بتائیں گے جس میں سیع بن خالد کو ثقہ قرار دیا گیا ہو“ (فتنہ کیوں اٹھتے ہیں؟ ص 9)

جناب سابق مدیر المسلم و آفس سیکرٹری رجسٹرڈ جماعت المسلمین! یہ کوئی نایاب و کمیاب کتاب نہیں بلکہ عام دستیاب کتاب ہے جی ہاں اُسی ”تہذیب التہذیب“ میں یہ چیز موجود ہے جس کے ”اٹھا کر دیکھ لینے“ کا جناب نے حکم فرمایا تھا۔ اور اس مضمون میں وہ سارا بیان نقل ہو چکا ہے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے صرف اپنے امیر صاحب کے کتابچوں میں ”تہذیب“ کا حوالہ دیکھ کر یہ سمجھ لیا تھا کہ جو کچھ انھوں نے فرمایا اس کی ”صراحت“ تہذیب میں موجود ہے۔ خود تحقیق نہیں کی تھی۔ اگر تہذیب دیکھی ہوتی تو اس میں آپ کو ابن حبان و عجلی کی توثیق ضرور نظر آ جاتی، لیکن آپ تو تقلید میں گم رہے، بھلا تحقیق سے آپ کا کیا لینا دینا، وگرنہ یہ کیسے ممکن ہوتا کہ جو کچھ تہذیب میں نہیں وہ تو آپ نے دیکھ لیا اور جو ہے وہ دیکھ نہیں پائے؟

تہذیب کے علاوہ آپ ابن حبان کی کتاب الثقات ج 4 ص 203 اور امام عجلی کی



”تاریخ الثقات“ ص 117 رقم: 511 دیکھیں۔ امام عجل نے تو صاف لکھا ہے: ”ثقة“۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب کی ”حیرت“ دور فرمائے!

گزشتہ صفحات میں خود مسعود صاحب کی عبارت بھی گزر چکی ہے کہ ”ابن حبان و عجل..... نے اس کو ثقہ کہا ہے!“

امید ہے کہ اب ان کی سمجھ میں آجائے کہ سبیح پر جرح مسعود صاحب کی ”غلط رائے“ ہے، خود ساختہ ہے۔ جبکہ مسعود صاحب نے لکھا: ”کسی راوی کے متعلق کسی فرد کی غلط رائے کو بنیاد بنا کر اس راوی کی ثقاہت کو کالعدم قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔“

(ذہن پرستی ص 47)

سبیح سے متعلق مسعود صاحب کی خود ساختہ رائے بھی یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔ ان کی اس غلط رائے کو بنیاد بنا کر سبیح کی ثقاہت کو کالعدم قرار دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں انصاف کی توفیق مرحمت فرمائے!

چھٹی مثال: نبہان مولیٰ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کو مجہول قرار دینے کا جواب دیتے ہوئے مسعود صاحب نے لکھا: ”تذہیب اور تہذیب میں ان پر کوئی جرح نہیں، تقریب میں ابن حجر نے ان کو مقبول لکھا ہے امام ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے (تہذیب) معلوم نہیں وہ ضعیف یا مجہول کیسے ہو گئے“ (حوالہ سابق ص 69)

دیکھ لیجیے! محض حافظ ابن حبان کے ثقہ کہنے اور حافظ ابن حجر کے مقبول کہنے پر نبہان ضعیف نہیں رہا، دوسری طرف حافظ ابن حبان اور عجل دو لوگوں نے ”سبیح“ کو ثقہ قرار دیا، تو مسعود صاحب نے حافظ ابن حبان کا تساہل ہونا یاد دلایا، ساتھ ہی عجل کو بھی تساہل بنا بیٹھے۔ حافظ ابن حجر نے سبیح کو مقبول کہا تو مسعود صاحب نے یہ کہہ دیا کہ ابن حجر نے ان کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا اور صرف مقبول کہا۔ اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو پھر ”نبہان“ کے معاملہ میں مسعود صاحب کو یہ ”سچ“ کیوں یاد نہیں رہا؟ جرح تو سبیح پر بھی کوئی نہیں۔

کاش رجسٹرڈ جماعت میں شامل افراد غور فرمائیں! تو ان پر واضح ہو کہ مسعود صاحب

کا یہ فیصلہ محض اپنے خود ساختہ فرقے کو بچانے کے لیے تھا، خالص تحقیق اور خالص دین اسلام کی پیروی اس طرح نہیں ہوتی۔

مسعود صاحب کا انداز بحث: مسعود صاحب نے ایک مسئلہ میں علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اعتراضات کا جواب دینے کے بعد لکھا: ”علامہ البانی نے امام حسن بصری کے عنعنہ کو حسن مان لیا، علامہ البانی حسن بصری کے عنعنہ کو ہر جگہ ضعیف نہیں مانتے، مثلاً:

أبو داود، کتاب الطہارۃ، باب فی رخصۃ ترک الغسل یوم الجمعة کی ایک حدیث کو جس میں امام حسن بصری کا عنعنہ موجود ہے، حسن تسلیم کرتے ہیں (صحیح ابی داود جزء اول ص 72 حدیث نمبر 341) بات صاف ہے کہ البانی صاحب نے سکتین کی حدیث کو ضعیف اس لئے کہا کہ وہ ان کے مذہب کے خلاف ہے اور جمعہ کے دن ترک غسل کی حدیث کو حسن اس لئے کہا کہ وہ ان کے مذہب کے مطابق ہے۔ بہر حال البانی صاحب نے حسن بصری کے عنعنہ کے باوجود حدیث کو حسن تسلیم کر لیا تو اب ان کے نزدیک بھی حدیث سکتین ضعیف نہیں رہی بلکہ حسن ہو گئی۔ کاش ہمارے مخالفین تعصب کو خیر آباد کہہ کر انصاف کے تقاضے پورے کریں اور سکتین کی حدیث کی تصحیح کا اعلان فرمائیں“ (امام کے دو سکتے ص 15)

مسعود صاحب کی یہ بات اس حد تک تو بلاشبہ درست ہے کہ اگر حسن بصری کا عنعنہ ایک روایت کے لیے علت ہے تو دوسری کے لیے بھی ہونا چاہیے، ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ احادیث سکتین کے حسن ہونے کی صورت میں بھی شیخ البانی رحمہ اللہ کے موقف پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ سر دست یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اقتباس نقل کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے جب دوسری جگہ حسن بصری کی تدلیس کے باوجود حدیث کو حسن قرار دیا تو مسعود صاحب نے لکھا: ”اب ان کے نزدیک بھی حدیث سکتین ضعیف نہیں رہی بلکہ حسن ہو گئی“، تو ”سبع“ کے علاوہ اس جیسے دیگر راویوں کو مسعود صاحب نے ثقہ یا حسن الحدیث مان لیا تو سبع بھی ان کے اپنے اصول پر ضعیف نہیں رہا بلکہ مسعود صاحب نے سبع کا کم از کم حسن الحدیث ہونا تسلیم کر لیا۔ (جاری ہے۔۔)



ابو عبد الرحمن محمد ارشد کمال

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام و نسب: آپ کا نام سعد، کنیت ابو اسحاق، والد ابو وقاص مالک اور والدہ حمہ بنت سفیان بن امیہ ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: سعد بن مالک (ابی وقاص) بن وہب (اہیب) بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الزہری المکی، کلاب بن مرہ پر آپ کا نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا نہال زہری خاندان میں تھا اس لیے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔

اسلام: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، خود فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو دیکھا کہ میں مسلمانوں کا تیسرا تھا یعنی تیسرا مسلمان تھا۔

(صحیح البخاری: 3726)

اور فرماتے ہیں: جو بھی اسلام لایا وہ اسی دن اسلام لایا ہے جس دن میں اسلام لایا تھا اور سات دن ایسے گزرے کہ میں اسلام لانے والا تیسرا شخص تھا۔ (ایضاً: 3727)

استقامت: سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی والدہ کی طرف سے سخت ردِ عمل سامنے آیا۔ فرماتے ہیں: انھوں نے قسم کھالی کہ وہ اس وقت تک ان سے بات نہیں کریں گی اور کھانا پینا بھی ترک کر دیں گی جب تک وہ دین اسلام ترک نہ کریں اور والدہ نے ان سے یہ بھی کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے میں تمہاری والدہ ہوں اور تمہیں حکم دیتی ہوں (کہ تو دوبارہ کافر ہو جا) وہ تین دن تک اسی حال میں رہیں، کھانا نہ پیا اور بے ہوش ہو گئیں، ان کے بیٹے نے جس کا نام عمارہ تھا ان کو پانی پلایا، وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بد دعائیں دیے لگیں، تب قرآن مجید کی آیات نازل ہوئی:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنَةً أُمَّهُ وَهَذَا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفُصِّلَ فِي عَامِلِينَ إِنَّ الشُّكْرَ

لِي وَلَوَالِدَاكَ إِلَى الصَّبِيرِ ۝ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴿١٤﴾ (لقمان: 14-15)

”اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ (نیکی کرنے کی) تاکید ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اگر وہ اس پر زور دیں کہ تم میرے ساتھ شریک کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو تم ان کی اطاعت مت کرو اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کرو۔“ (صحیح مسلم: 1748)

غزوات: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں ہونے والے تمام غزوات میں حصہ لیا اور اپنی بہادری و دلیری کے جوہر دکھائے۔ ایک دفعہ بنو اسد نے آپ ﷺ پر کچھ ذاتی اعتراض کیے تو ان کے جواب میں فرمایا: میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا۔ ہم نے اس حال میں وقت گزارا ہے کہ ہم جہاد کرتے تھے لیکن ہمارے پاس ببول کے پتوں اور لیکر کے چھلکے کے علاوہ دوسری کوئی چیز کھانے کے لیے نہ تھی اور ہمیں بکری کی میگنیوں کی طرح قضا حاجت ہوتی تھی خشکی کے سبب اس میں کچھ بھی خلط ملط نہ ہوتا تھا اور اب یہ بنو اسد کے لوگ مجھے اسلام سکھانا چاہتے ہیں پھر تو میں بد نصیب ٹھہرا اور میرا سارا کیا دھرا اکارت گیا۔ (صحیح بخاری: 6453)

۱) غزوہ بدر: غزوہ بدر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں بدر کے دن ایک تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے مرا سینہ ٹھنڈا کر دیا ہے یعنی میں نے انھیں خوب مارا ہے، آپ یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، آپ نے فرمایا: یہ تلوار نہ میری ہے نہ تمھاری۔ میں نے (جی میں) کہا: ہو سکتا ہے کہ آپ یہ تلوار اس شخص کو دینا چاہتے ہوں جو میری طرح آزمائش میں مبتلا نہیں ہوا۔ بعد ازاں میرے پاس آپ کا سفیر آیا (اور مجھے بلا کر لے گیا) آپ نے فرمایا: تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی اس وقت (میری حصہ میں) وہ نہ آئی تھی اب وہ میرے حصہ میں آگئی



ہے، لہذا وہ تمھاری ہے، فرماتے ہیں: تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ (الأنفال: ۱) وہ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔

(سنن الترمذی: 3079، مزید دیکھیے: صحیح مسلم: 1748)

۲) غزوہٴ احد: غزوہٴ احد کے موقع پر نبی کریم ﷺ اپنے ترکش کے تیر آپ کو نکال نکال کر دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: ((ارْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّي)) تیر برساؤ، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ (صحیح البخاری: 4055)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگِ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کیا تھا (یعنی یہ کہا تھا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں) ان میں سے ایک شخص نے مسلمانوں کو جلاؤ الا تھا تو نبی ﷺ نے سعد سے فرمایا: تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ کہتے ہیں کہ میں نے بغیر پردہ کا تیر لے کر اس کے پہلو پر مارا وہ گر پڑا اس کی شرم گاہ کھل گئی رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ کر اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔ (صحیح مسلم: 2412)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سعد بن مالک کے سوا میں نے کسی اور کے لیے نبی کریم ﷺ کو اپنے والدین کا ایک ساتھ ذکر کرتے نہیں سنا۔ میں نے خود سنا کہ احد کے دن نبی ﷺ فرما رہے تھے: سعد! تیر برساؤ، میرے ماں باپ اور ماں تم پر قربان ہوں۔ (ایضاً: 4059)

غزوہٴ احد ہی کے موقع پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے دائیں بائیں جبریل اور میکائیل کو دیکھا تھا، فرماتے ہیں: جنگِ احد کے دن میں نے نبی ﷺ کے دائیں اور بائیں سفید لباس میں ملبوس دو آدمیوں یعنی جبریل اور میکائیل کو دیکھا، میں نے ان کو اس سے پہلے اور بعد میں کبھی نہیں دیکھا، وہ آپ کی طرف سے بہت شدت کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔ (صحیح مسلم: 8306)

جنگِ احد میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ (صحیح البخاری: 4060، 6041)

جنگ قادسیہ: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران بھی ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قادسیہ کے مقام پر ایرانیوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں اسلامی لشکر کے امیر آپ ہی تھے اس جنگ میں ایرانیوں کو عبرتناک شکست ہوئی تھی۔ تابعی کبیر ابو وائل اس جنگ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے لشکر کے ساتھ قادسیہ میں پڑاؤ کیا تو انھوں نے کہا: ”میرے اندازے کے مطابق ہماری تعداد سات ہزار یا آٹھ ہزار کے درمیان ہے، جبکہ مد مقابل دشمن کی تعداد کم و بیش تیس ہزار ہے اور ان کے پاس ہاتھی بھی ہیں۔“ جب دشمن مقام قادسیہ پر پہنچا تو انھوں نے ہمیں کہا: ”(اے اہل عرب! تم بخیر و سلامت اپنے علاقوں کی طرف) واپس پلٹ جاؤ، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے پاس نہ نفری ہے، نہ تربیت یافتہ جنگجو ہیں اور نہ ہی تمہارے پاس سامانِ حرب و ضرب ہے۔ جاؤ! (اپنے علاقوں کی طرف) لوٹ جاؤ۔“ ہم نے جواب دیا: ”ہم لوٹ کر جانے والے نہیں ہیں۔“ وہ ہمارے تیرو نیزے دیکھ کر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تمہیں پیس کر رکھ دیں گے اور وہ ہمارے تیروں اور نیزوں کو چرخوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ جب ہم نے ان کی ہر بات ماننے سے انکار کیا تو پھر انھوں نے (دعوتِ مذاکرات دیتے ہوئے) کہا: ”تم اپنے لشکر میں سے کوئی سمجھ دار آدمی بھیجو، تاکہ وہ ہمیں بتائے کہ تمہیں اپنے علاقے سے ہمارے پاس لانے پر کس چیز نے ابھارا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے پاس جنگ کے لیے نفری ہے نہ ہی سامانِ حرب ہے۔“

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے (ان کی یہ باتیں سننے کے بعد امیر لشکر سے) کہا: ”میں (ان سے بات چیت کے لیے) تیار ہوں۔“ پھر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نہر عبور کر کے ان کے پاس پہنچ گئے اور جا کر رستم کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئے۔ رستم اور اس کی فوج نے ان کے اس طرح تخت پر بیٹھنے کو برا جانا، تو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ کی قسم! میرے اس طرح تمہارے بادشاہ کے ساتھ بیٹھنے نے نہ تو مجھے کوئی مزید مقام و مرتبہ دیا ہے اور نہ ہی اس کی شان میں کمی آئی ہے۔“ رستم نے کہا: مجھے یہ بات بتاؤ کہ کون سی چیز تمہیں اس حالت



میں تمہارے ملکوں سے لے آئی ہے، حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ نہ تو تمہارے پاس نفری ہے اور نہ ہی جنگ کا سامان۔“ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ ہم بدبختی و شقاوت اور گمراہی کی مہیب دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ سو اللہ رب العزت نے ہم میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور ان کی وجہ سے اللہ نے ہمیں ہدایت اور رزق عطا کیا۔ اس رزق میں کچھ ایسے دانے بھی تھے جن کے بارے میں میرے ساتھیوں کا خیال ہے کہ وہ تمہاری زمین میں اگتے ہیں۔ پس جب ہم نے تمہارے ملکوں کا یہ غلہ خود کھایا اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلایا تو ہم نے اور ہمارے گھر والوں نے کہا کہ اس غلے کو کھائے بغیر بھلا کیا عیش و آرام ہے، ایسے کرو کہ تم ان کے ملکوں میں اتر جاؤ۔ پس اب ہم یہی غلہ کھائیں گے (یعنی ہم یہ علاقہ فتح کر لیں گے اور ان کے مالک بن جائیں گے)۔“

(یہ باتیں سن کر) رستم نے کہا: ”پھر تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔“ تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اگر تم ہمیں قتل کرو گے تو ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے، لیکن جب ہم تمہیں قتل کریں گے تو تم جہنم میں جاؤ گے، الایہ کہ تم جزیہ دے دو (تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے)۔“ جب سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جزیہ ادا کرنے کی پیش کش کی تو وہ بہت سیخ پا ہوئے اور شور کرنے لگے اور انھوں نے کہا: ”ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی صلح نہیں۔“ اس پر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”(اے شاہ فارس!) پھر اب تم یہ نہر پار کر کے ہماری طرف آتے ہو یا ہم آئیں؟“ رستم نے کہا: ”نہیں، بلکہ ہم خود نہر پار کر کے تمہارے پاس آتے ہیں۔“ پھر مسلمان ان کے آنے تک رکے رہے اور انھوں نے نہر عبور کی، تو مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا، انھیں قتل کیا اور انھیں (عبرت ناک) شکست دی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 34436، 33087 وسندہ صحیح)

سیدنا شہر بن علقمہ بیان کرتے ہیں: ”جنگ قادسیہ کے دن میں نے عجمی لوگوں میں سے ایک (کافر) کو دعوتِ مبارزت دی (یعنی باقاعدہ جنگ سے قبل فریقین کی طرف سے ایک ایک آدمی کا آپس میں پنجہ آزمائی کرنا) تو میں نے اسے قتل کر دیا اور میں اس کا سامان

لے کر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا، انھوں نے اپنے ساتھیوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا: ”یہ سامان شہر کے لیے ہے اور یہ بارہ ہزار درہم سے زیادہ قیمتی ہے، پس ہم یہ سامان شہر کو بطور انعام دیتے ہیں۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: 34443 وسندہ صحیح)

دور فتنہ میں گوشہ نشینی: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتنوں کے دور میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ آپ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو سخت ناپسند کرتے تھے اور لوگوں کو فتنوں سے بچنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

بسر بن سعید کہتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہونے والے فتنے کے وقت کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایک ایسا فتنہ ہوگا جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: بتائیے اگر کوئی میرے گھر میں گھس آئے اور قتل کرنے کے لیے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔

(سنن الترمذی: 2194 صحیح)

ایک دفعہ آپ اپنے اونٹوں کے پاس تھے کہ اپنے بیٹے عمر بن سعد کو آتے دیکھا فرمانے لگے: میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ جب وہ آیا تو اس نے کہا: آپ یہاں اپنے اونٹوں اور بکریوں میں بیٹھے ہیں اور لوگ حکومت کے لیے لڑ رہے ہیں؟ آپ نے اس کے سینے پر مکا مارا اور فرمایا: خاموش ہو جا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ((إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ، الْغَنِيِّ، الْخَفِيِّ)) اللہ اپنے اس بندہ سے محبت رکھتا ہے جو متقی ہو غنی ہو اور گوشہ نشین ہو۔ (صحیح مسلم: 2965)

دیگر فضائل: آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں، ان میں چند کا ذکر کرتے ہیں:

نزول قرآن: سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے متعلق قرآن مجید کی کئی آیات نازل ہوئی تھیں۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ سورہ لقمان کی درج ذیل آیات آپ کے



بارے میں اتریں۔

﴿وَصَيَّنَّا الْإِنْسَانَ بِأَلَدَيْهِ حَصَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفُصِّلَتْ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَىٰ الْمَصِيرِ ۝ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمان: 14، 15)

فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سارا مال غنیمت آیا، اس میں ایک تلوار بھی تھی۔ میں وہ تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ یہ تلوار مجھے دے دیں، کیونکہ میں وہ ہوں جس کا حال آپ کو معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا: اس تلوار کو جہاں سے اٹھایا تھا وہیں رکھ آؤ، میں (اسے رکھنے کے لیے) اٹھا، میں نے پھر کہا: یہ تلوار مجھے دے دیں۔ آپ نے زیادہ سختی کے ساتھ فرمایا: اس کو جہاں سے لیا ہے وہیں واپس رکھو، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ (الانفال: 1)

فرماتے ہیں: میں انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس گیا انھوں نے کہا: آؤ ہم تمہیں کھانا کھلائیں اور شراب پلائیں، یہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ان کے ساتھ ایک باغ میں گیا، وہاں ان کے پاس اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا اور شراب کا ایک مٹکا تھا میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور شراب پی، پھر وہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا میں نے کہا: مہاجرین انصار سے بہتر ہیں، ایک شخص نے (اونٹ کے) سر کی ایک ہڈی اٹھا کر مجھے دے ماری، میری ناک زخمی ہو گئی، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمادی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدة: 90) (صحیح مسلم: 1748)

فرماتے ہیں: ہم چھ افراد نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا: ان لوگوں کو دور کر دیجیے یہ ہمارے سامنے نہ آئیں (وہ چھ افراد یہ تھے) میں (سعد)، ابن مسعود، ہذیل کا ایک شخص، بلال اور دو اور شخص جن کا نام نہیں لیتا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے

دل میں جو آیا سو آیا، آپ نے اپنے دل میں کچھ سوچا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

(الانعام: 52) (صحیح مسلم: 2413)

کمال و فاداری: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ بیدار ہو گئے آپ نے فرمایا: کاش میرے صحابہ میں سے کوئی نیک شخص آج رات میرا پہرہ دیتا۔ فرماتی ہیں: ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ ہم نے اسلحے کی جھنکار سنی، آپ نے فرمایا: کون ہے؟ جواب ملا: سعد بن ابی وقاص ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے کہا: میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اندیشہ ہوا تو میں آپ کا پہرہ دینے چلا آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دعا دی۔ پھر آپ (بے فکر ہو کر) سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔ (صحیح مسلم: 2410)

محبوب الہی: عائشہ بنت سعد اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ تین راتیں مسجد میں تشریف فرما رہے (اور) یہ دعا مانگتے رہے: اے اللہ! اس دروازے سے اس شخص کو داخل فرما جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور تو اس سے محبت کرتا ہے تو اس دروازے سے سعد رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ (المستدرک لحاکم 499/3 وسندہ حسن)

مستجاب الدعوات: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی انھوں نے ان کو معزول کر کے عمار کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ کوفہ والوں نے سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا: ابواسحاق: ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو، اس پر انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تو انھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھاتا تھا اس میں کوتاہی نہیں کرتا تھا، عشاء کی نماز پڑھاتا تو اس کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابواسحاق!



مجھے تم سے یہی امید تھی۔ پھر امیر المومنین نے سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا، قاصد نے ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا سب نے ان کی تعریف کی لیکن جب مسجد بنی عباس میں گئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قنادہ اور کنیت ابوسعہ تھی کھڑا ہوا، اس نے کہا: آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سنیے کہ سعد نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے نہ مال غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ فیصلے میں عدل و انصاف کرتے تھے۔ یہ سن کر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھاری اس بات پر تین دعائیں کرتا ہوں: اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا و نمود کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر اور اسے خوب محتاج بنا اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔ اس کے بعد وہ شخص اس درجہ بد حال ہوا کہ جب اس سے پوچھا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعد کی بددعا لگ گئی۔

عبدالملک (راوی حدیث) بتاتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا اس کی بھنویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آگئی تھیں لیکن اب بھی راستوں میں وہ لڑکیوں کو چھیڑتا تھا۔

(صحیح البخاری: 755)

عشرہ مبشرہ: سیدنا عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن الجراح جنتی ہیں۔“ (سنن الترمذی: 3747 و سندہ صحیح)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نو اشخاص کے سلسلے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں اور اگر میں دسویں کے سلسلے میں بھی گواہی دوں تو بھی گناہ گار نہ ہوں گا۔ ان سے کہا گیا: یہ کیسے ہے؟ (ذرا اس کی وضاحت فرمادیں) تو انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حرا پہاڑ پر تھے تو آپ نے فرمایا: ”حراء! ٹھہر جا، تیرے اوپر نبی ہے، یا صدیق یا شہید کے علاوہ کوئی اور نہیں: پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں رسول اللہ نے صدیق یا شہید کہا ہے؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ابو بکر، عمر، عثمان،

علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوچھا گیا: دسویں شخص کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا: وہ میں (سعید بن زید) ہوں۔ (سنن الترمذی: 3257 وسندہ حسن)

مستحق خلافت: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ امیر المومنین! خلافت کے لیے کوئی وصیت کر دیجیے تو انھوں نے فرمایا: خلافت کا میں ان حضرات سے زیادہ اور کسی کو مستحق نہیں پاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک جن سے راضی و خوش تھے پھر انھوں نے سیدنا علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ اور فرمایا: اگر خلافت سعد کو مل جائے تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر وہ نہ ہو سکیں تو جو شخص بھی خلیفہ بنے وہ اپنے زمانہ خلافت میں ان کا تعاون حاصل کرتا رہے کیونکہ میں نے ان کو (کوہ کی گورنری سے) نااہلی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔

(صحیح البخاری: 3700)

ایک مبارک پیشین گوئی: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ ہی میں سخت علیل ہو گئے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر رو پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم رو کیوں رہے ہو؟ کہنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اسی زمین میں مرجاؤں گا جس سے میں نے ہجرت کی تھی جس طرح سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ (مکہ میں) فوت ہو گئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دعا فرمائی: ((اللھُمَّ اشفِ سعداً، اللھُمَّ اشفِ سعداً)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي مَا لَا كَثِيرًا، وَإِنَّمَا يَرْتُنِي ابْنَتِي، أَقْأُ وَصِيٍّ بِمَالِي كُلِّهِ؟ قَالَ: ((لَا))، قَالَ: فَبِالْثُلُثَيْنِ؟، قَالَ: ((لَا))، قَالَ: فَالْنِّصْفُ؟ قَالَ: ((لَا))، قَالَ: فَالْثُلُثُ؟ قَالَ: ((الْثُلُثُ وَالْثُلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّ صَدَقَتَكَ مِنْ مَالِكَ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ نَفَقَتَكَ عَلَى عِيَالِكَ صَدَقَةٌ، وَإِنْ مَا تَأْكُلُ أَمْرَاتِكَ مِنْ مَالِكَ صَدَقَةٌ، وَإِنَّكَ أَنْ تَدَعَ أَهْلَكَ بِخَيْرٍ - أَوْ قَالَ: بِعَيْشٍ - خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ))، وَقَالَ: ((بِيَدِهِ)). ”اے اللہ! سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے۔“ سیدنا سعد نے کہا: میرے پاس بہت مال ہے اور میری



وارث صرف میری بیٹی ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا: دو تہائی مال کی؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: آدھے مال کی؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا: ایک تہائی مال کی؟ آپ نے فرمایا: ایک تہائی مال کی کر دو اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تمہارا اپنے مال میں سے صدقہ کرنا بھی صدقہ ہے اور تمہارا اپنی اولاد پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، تمہارے مال میں سے جو تمہاری بیوی کھاتی ہے وہ بھی صدقہ ہے اور اگر تم اپنے اہل و عیال کو خوشحالی یا بہتر معاش میں چھوڑ دو تو وہ اس حال میں چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (صحیح مسلم: 1628)

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ساتھی مجھے چھوڑ کر (حجۃ الوداع کر کے مکہ سے) جا رہے ہیں اور میں ان سے پیچھے رہ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہاں رہ کر بھی اگر تم کوئی نیک عمل کرو گے تو اس سے تمہارے درجے بلند ہوں گے۔ اور شاید ابھی تم زندہ رہو گے اور بہت سے لوگوں کو تم سے فائدہ پہنچے گا اور بہتوں کو نقصان۔ پھر آپ نے دعا فرمائی: ((اللَّهُمَّ اَمْضِ لِأَصْحَابِي هَجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ))، لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ أَنْ تُوفِّيَ بِمَكَّةَ.

اے اللہ! میرے ساتھیوں کو ہجرت پر استقلال عطا فرما اور ان کو ان کی ایڑھیوں پر یوں نہ لوٹانا۔ لیکن بے چارے سعد بن خولہ!۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لیے افسوس کر رہے تھے کہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔ (ایضاً)

نبی کریم ﷺ کی سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ پشین گوئی کہ شاید ابھی تم زندہ رہو گے اور بہت سے لوگوں کو تم سے فائدہ پہنچے گا اور بہتوں کو نقصان، عجبی فتوحات کے ذریعے پوری ہوئی جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

اتباع سنت: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اتباع سنت اور نبی کریم ﷺ کی کامل پیروی کو اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اہل کوفہ نے امیر المؤمنین

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شکایت کی کہ سعد رضی اللہ عنہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو آپ نے فرمایا: میں تو انہیں اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: 755)

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے محل کی طرف جو مقام عقیق میں تھا تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک غلام کو درخت کا ٹٹے دیکھا (چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا اس لیے) آپ نے اس کا سامان چھین لیا، غلام کے مالکوں نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے: معاذ اللہ! ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو چیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دی ہو میں وہ واپس کر دوں اور وہ سامان واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

(صحیح مسلم: 1364)

محمد بن عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ جس سال معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو میں نے سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما کو حج تمتع کا ذکر کرتے سنا۔ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا وہی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں جاہل ہے۔ اس پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ ضحاک نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا ہے تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور آپ کے ساتھ ہم نے بھی کیا ہے۔

(سنن الترمذی: 823، ابن حبان: 3923 و سندہ حسن)

علم و فضل: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا علمی پایہ نہایت بلند تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: جب تم سے سعد (بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے مت پوچھو۔

(صحیح البخاری: 202)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے بقول مسند قحی بن مخلد میں آپ کی مرویات کی تعداد دو سو ستر (270) ہے۔ پندرہ (15) احادیث متفق علیہ ہیں۔ پانچ (5) احادیث میں امام بخاری



اور اٹھارہ (18) احادیث میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء ۱/ ۱۲۴)
 وفات: مشہور قول کے مطابق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پچیس جمادیٰ اولیٰ 55 ہجری
 میں مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں فوت ہوئے، کہا جاتا ہے کہ اس وقت
 آپ کی عمر بیسی (82) سال تھی۔ واللہ اعلم
 وفات کے بعد آپ کی میت کو مدینہ منورہ لایا گیا۔

(طبقات ابن سعد 3/ 136 و سندہ حسن إلى ابن شہاب)

اور وہاں ہی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ عباد بن عبد اللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ جب سعد بن
 ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ازواج مطہرات نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لے آؤ
 تاکہ ہم بھی ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا اور جنازہ ان کے حجروں کے
 سامنے رکھ دیا گیا تاکہ وہ بھی نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر جنازہ کو مقاعد کی طرف سے باب
 الجنائز سے باہر لے جایا گیا۔ پھر ازواج مطہرات کو یہ بات پہنچی کہ لوگوں نے اس (مسجد
 میں نماز جنازہ پڑھنے) پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ جنازہ کو مساجد میں نہیں لے جایا
 جاتا۔ یہ بات جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا: لوگ جس بات کو جانتے
 نہیں اس پر کس قدر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں وہ جنازہ کو مسجد میں لائے جانے پر
 اعتراض کر رہے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد ہی میں
 پڑھی تھی۔ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: 973)

ازواج و اولاد: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی وقتاً فوقتاً متعدد نکاح کیے، ان کی نو
 بیویوں کے نام کتب تاریخ میں ملتے ہیں۔ ان بیویوں سے ان کے سترہ یا اٹھارہ بیٹے اور اتنی
 ہی بیٹیاں ہوئیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اسحاق تھا۔ انہی کے نام
 پر آپ کی کنیت ابو اسحاق تھی۔ وہ لا ولد مر گئے۔ بعض نے اسلامی جنگوں میں حصہ لیا اور
 شہادت پائی۔

دوروشن ستارے

بسم اللہ والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد:

برصغیر (پاک و ہند) کی جماعت اہل الحدیث پر حالیہ ایام حزن و ملال کا ایک پہاڑ بن کر ٹوٹے جب عالم اسلام کے روشن منارے، بالخصوص پاک و ہند کے آسمانِ علم پر چمکنے والے دوروشن ستارے اچانک اپنی مدتِ حیات کو پورا کر کے داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان کا مختصر تذکرہ ذیل کی سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فضیلۃ الشیخ مسندِ وقت محدث ظہیر الدین مبارکپوری رحمہ اللہ (متوفی 14 اگست 2017ء) نام و نسب: ابو ذوالقرنین ظہیر الدین بن عبد البخان بن محمد بہادر الاثری الرحمانی المبارکپوری ولادت: آپ 1920ء بمطابق 1338ھ کو ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کے معروف علمی مرکز مبارکپور کے قریب موضع حسین آباد میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

حصولِ علم: آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے قرآن کریم حفظ کیا بعد ازاں علاقہ مؤ میں جامعہ فیض عام اور پھر دارالعلوم دیوبند سے کچھ عرصہ وابستہ رہنے کے بعد وقت کی مشہور علمی درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں وارد ہوئے۔ یہاں ایک عرصہ تک حصولِ علم میں مشغول رہنے کے بعد 1360ھ بمطابق 1941ء میں سنہ فراغت حاصل کی۔

مشائخ: آپ کے مشہور اساتذہ میں محدث عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب تحفۃ الاحوذی، عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاة المفاتیح اور مسندِ وقت احمد اللہ دہلوی پر تاب گڑھی شامل ہیں۔

تدریسی خدمات: آپ نے ابتداء میں ملک ہندوستان کی کئی جامعات میں کچھ عرصہ نقل مکانی کے بعد بالآخر جامعہ دارالسلام عمر آباد ہند میں مسندِ تدریس سنبھالی اور 2005ء تک اسی مقام پر براجمان رہے، اس کے بعد کبرسنی کے باعث باقاعدہ تدریس کی مشقتوں سے الگ ہو کر افادۂ عام کا سلسلہ جاری رکھا، اندرون و بیرون ملک سے بے شمار علماء و طلباء اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس دوران تقریباً 50 مرتبہ سنن ابی داؤد اور 10 مرتبہ صحیح بخاری کا درس دیا۔ مقدمہ ابن خلدون اور صحیح مسلم ہر دو کتابیں آپ کی خاص توجہ کا مرکز تھیں۔ علاوہ ازیں ریاست تامل ناڈو میں جمعیت اہل الحدیث کی طرف سے عہدہ امارت پر بھی متمکن رہے۔

علوِ سند: آپ کی شہرت کی خاص وجہ صحیح مسلم کی عالی اسناد تھی، جو کہ آپ نے اپنے شیخ احمد اللہ



پر تاب گڑھی سے روایت کر رکھی تھی۔ اسی طرح آپ عبد الرحمن مبارکپوری سے بلا واسطہ تلمذ کا شرف بھی رکھتے تھے۔ یہ دونوں حضرات شیخ اکل سیدنذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔

وفات: آپ کی وفات بروز منگل 22 ذوالقعدہ 1438ھ بمطابق 14 اگست 2017ء کو عمر آباد ہند میں ہوئی۔ **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

۲) شیخ الحدیث مناظر اسلام مولانا عبداللہ امجد چھتوی رحمہ اللہ (متوفی 16 اگست 2017ء)
نام و نسب: عبداللہ امجد بن عبدالعزیز بن جلال الدین چھتوی رحمہ اللہ
ولادت: آپ 1935ء کے لگ بھگ ہندوستان کی ریاست بیکانیر کی بستی ڈھانی دہلی باس میں ایک صالح اور علمی گھرانے پیدا ہوئے۔

حصول علم: آپ نے قرآن مجید کی تعلیم اپنے والد عبدالعزیز سے حاصل کی۔ پھر جامعہ مدرسہ خادم القرآن والحدیث جھوک دادو اور دارالعلوم تعلیم الاسلام اوڈاں والا میں دو دو سال تحصیل علم کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے بقیہ تعلیم مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

مشائخ: آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمد صادق خلیل، آپ کے سر حافظ عبداللہ بڈھیما لوی، مولانا محمد عبدالغلام اور مولانا معین الدین لکھوی شامل ہیں۔

تدریسی خدمات: آپ ابتداء میں کچھ عرصہ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد دارالقرآن والحدیث فیصل آباد تشریف لے گئے۔ پھر کچھ عرصہ تنقل کے بعد بالآخر دارالدعوة السلفیہ ستیانہ بنگلہ کو مرکز تدریس بنایا، وہاں شیخ الحدیث کی مسند پر تقریباً 20 سال تک براجمان رہے۔ آپ نے 1956ء میں اپنی تدریسی خدمات کا آغاز کیا تا نکلہ 16 اگست 2017ء کو دارالدعوة السلفیہ سے ہی آپ سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ اسی اثناء میں آپ نے تقریباً 50 مرتبہ صحیح بخاری کا درس دیا۔

تلامذہ: آپ کے مشہور تلامذہ میں محدث ارشاد الحق اثری، شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی، مفتی عبدالحنان، مولانا عتیق اللہ سلفی اور حافظ مقصود احمد شامل ہیں۔

وفات: آپ 15 اور 16 اگست 2017ء کی درمیانی شب 2 بجے کے قریب مختصر علالت کے بعد اپنے علمی مرکز دارالدعوة السلفیہ میں دو بیٹوں اور چار بیٹیوں سمیت ہزاروں طلبہ اور اساتذہ کو سو گوار چھوڑ کر دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔

ہم ادارہ اشاعت الحدیث کی طرف سے علم و عمل کے دونوں چراغوں کے اعزہ واقارب سے بھرپور تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ان کی تمام اخروی منازل آسان فرمائے اور جماعت اہل الحدیث کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

جمع وترتيب: محمد ارشد كمال

القول القوي في نقد الرجال للشيخ زبير على زئي رحمه الله

- ٩) إبراهيم بن أحمد بن عبد الكريم ، ابن أبي حميد الحراني الضرير .
كذاب ، كان يضع الحديث (الكامل لابن عدي ٢٦٩ / ١ ، لسان الميزان
٢٨ / ١) [الحديث ٨ / ١٩]
- ١٠) إبراهيم بن أحمد بن عبد الله بن يعيش ، ابن النابتي .
لم أجد من وثقه ، انظر: الضعيفة للمحدث الكبير الألباني رحمه الله
(١٣ / ٥٣٣ ح ٦٢٤٦) [الحديث ١٣ / ١٠]
- ١١) إبراهيم بن إسحاق الحربي .
ثقة إمام وهو برئ من التدليس . [الفتح المبين ص ٢١٢]
- ١٢) إبراهيم بن إسحاق الطبراني .
مجهول أو مجروح . [شمائل ترمذي ص ١٢٧]
- ١٣) إبراهيم بن إسحاق (عن ابن شهاب وعنه معاوية بن صالح) .
لم أعرفه . [مشكاة المصابيح ٧٠١ / ٢]
- ١٤) إبراهيم بن إسماعيل بن أبي حبيبة المديني الأنصاري الأشلهي .
ضعيف عابد ، ضعفه الجمهور ، وأخرجه العقيلي (٤٣ / ١) عن آدم به وأخرج
له الترمذي وابن ماجه وأبو داود في كتاب التفرد . [تحفة الأقوياء ، ص ١١]
- ١٥) إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع بن جارية الأنصاري .
ضعيف ، وأخرجه الإمام أبو جعفر العقيلي في الضعفاء الكبير (٤٣ / ١) عن



آدم بن موسى عن البخاري به ، وعلق له البخاري في صحيحه موضعاً واحداً
فى الشواهد مقروناً بغيره (بدء الخلق باب ١٤ حديث: ٣٢٩٩) وأخرج له
ابن ماجه . [تحفة الأقوياء ، ص ١١]

(١٦) إبراهيم بن إسماعيل الشكري .

مجهول الحال (تق: ١٥١) [أنوار الصحيفة ، ص ٣٩٧]

(١٧) إبراهيم بن الأصبح .

لم أجد من وثقه . [الحديث ٣٤ / ١٦]

(١٨) إبراهيم بن أعين الشيباني العجلي .

ضعيف . [مشكاة المصابيح ٦٢ / ٢]

(١٩) إبراهيم بن أنس الأنصاري (عن إبراهيم بن جعفر وعنه محمد بن
أحمد القطواني)

لا يعرف [الحديث ١٧ / ٨٧] مجهول [الحديث ٢١ / ١٠٦]

(٢٠) إبراهيم بن بشار الرمادي ، أبو إسحاق البصري .

موثق عند الجمهور فهو صدوق ، حسن الحديث . [الحديث ٦٦ / ٩٤]

(٢١) إبراهيم بن البصير .

لا يعرف . [الحديث ١٥ / ٧٢]

(٢٢) إبراهيم بن أبي بكر بن عياش .

صحيح الحديث ، قال أبو حاتم: صدوق (الجرح والتعديل ٩٠ / ٢) وذكره

ابن حبان فى الثقات (٧٤ / ٨) [مسائل محمد بن عثمان ابن أبي شيبة ، ص ٢٩]

(٢٣) إبراهيم بن جرير بن عبد الله البجلي .

صدوق لكنه لم يسمع من أبيه . [أنوار الصحيفة ، ص ٣٩٠]

(٢٤) إبراهيم بن جريج الرهاوي .

متهم . [مشكاة المصابيح ٧١٣ / ٢]

(٢٥) إبراهيم بن جعفر بن عبد الله بن محمد بن مسلمة .

لا يعرف . [الحديث ١٨ / ٨٧] مجهول [الحديث ٢١ / ١٠٦]

(٢٦) إبراهيم بن حسن بن حسن بن علي بن أبي طالب .

مجهول الحال، لم يوثقه غير ابن حبان، وذكره الذهبي في الضعفاء، انظر:

ديوان الضعفاء والمتروكون . (١ / ٤٦ ت ١٦٩) [الحديث ١٥ / ٧١]

(٢٧) إبراهيم بن الحكم بن أبان المدني .

ضعيف . [الحديث ٢٤ / ١٧]

(٢٨) إبراهيم بن حماد بن أبي حازم المدني .

ذكره الدارقطني في الضعفاء والمتروكون . (ص ١١٠ ت : ٢٨) ولم يوثقه

أحد . [الحديث ٦٨ / ٤٠ ، ٤١]

(٢٩) إبراهيم بن أبي حية ، أبو إسماعيل المكي .

ضعيف ، ضعفه الجمهور وروى عن جعفر وهشام مناكير ، وأخرجه العقيلي

(١٧ / ١) عن آدم به ، وانظر التاريخ الصغير (الأوسط ٢ / ٢٣٢ ، ٢٣٣)

[تحفة الأقويا، ص ١١]

(٣٠) إبراهيم بن الزبرقان .

حسن الحديث ، وثقه العجلي وابن حبان وابن شاهين والجمهور ، وتكلم

فيه أبو حاتم الرازي ، كما في لسان الميزان (١ / ٤٧-٤٩ ت ١٤٤) توفي سنة

١٨٣ هـ [مسائل محمد بن عثمان بن أبي شيبة ، ص ٣٧]

(٣١) إبراهيم بن زكريا ، أبو إسحاق العجلي البصري .

ضعيف ، حدث بالبواطيل [الحديث ٢٨ / ٣٩]

(٣٢) إبراهيم بن سعد بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف رحمه الله .



وثقه الإمام أحمد بن حنبل وابن معين والعجلي والجمهور، فالجرح عليه
مردود. [الحديث ٣٤ / ٦٥]

(٣٣) إبراهيم بن سعيد الجوهري، أبو إسحاق.

ثقة ثبت، انظر تاريخ بغداد (٩٣ / ٦ ت ٣١٢٧) والأسانيد الصحيحة
(ص ١٤) وجرح ابن خراش مردود. [الحديث ١٤ / ٦٤]

(٣٤) إبراهيم بن سليمان الأفتس الدمشقي.

ثقة صدوق وقال الحافظ ابن حجر: "ثقة ثبت، إلا أنه يرسل (التقريب:
١٨٢) قال البخاري: وروى إسحاق بن عيسى عن ثور عن إبراهيم الأفتس
عن يزيد بن يزيد ابن جابر، مرسل، حديثه في الشاميين (التاريخ الكبير
٢٨٩ / ١) إنما صرح البخاري في إرساله ولم يصرح في تدليسه، وقال ابن
طلعت: والذي يظهر لي أن البخاري يريد بقوله مرسل هنا أي مقطوع (معجم
المدلسين ص ٥٣) وقال مسفر الدميني: "وأرى أنه لم يثبت عليه تهمة
التدليس (التدليس في الحديث ص ١٨١، رقم ١ / ١٠) قلت: بري من
التدليس. [الفتح المبين، ص ٥٠]

(٣٥) إبراهيم بن صالح بن درهم الباهلي.

ضعفه الدارقطني والجمهور وقال الحافظ ابن حجر: فيه ضعف (تق: ١٨٦)
[أنوار الصحيفة ص ١٥٣]

(٣٦) إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف الزهري.

ثقة تابعي كبير، قيل: له رؤية [الإتحاف باسم ص ٦٤٢]

(٣٧) إبراهيم بن عبد الرحمن بن يزيد بن أمية المدني.

مجهول (تق: ٢٠٨) [أنوار الصحيفة ص ٢٩٤]

(٣٨) إبراهيم بن عبد الرحمن العذري.

تابعي . [الحديث ٤ / ٧٨]

(٣٩) إبراهيم بن عبد السلام بن عبد الله بن باباه المخزومي .

ضعيف . [أنوار الصحيفة ص ٤٩٧]

(٤٠) إبراهيم بن عبد الله بن حسنين الهاشمي .

ثقة تابعي [الإتحاف بالبسم ، ص ٦٤٢]

(٤١) إبراهيم بن عبد الله بن مطيع .

لم يوثقه غير الدارقطني بتحسين حديثه ، والله أعلم به . [مشكاة المصابيح

[٦٤٧ / ٢]

(٤٢) إبراهيم بن عبد الله المصيصي .

كذاب ، أحاديثه موضوعة [الفتح المبين ، ص ٢١٢]

(٤٣) إبراهيم بن عبيد الله بن صالح .

لم أجده [مسائل محمد بن عثمان ابن أبي شيبة ، ص ٦١]

(٤٤) إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي ، أبو شيبة الكوفي .

ضعيف جداً ، وأخرجه العقيلي (٦٠ / ١) عن آدم به ، أخرج له الترمذي وابن ماجه

[تحفة الأقوياء ، ص ١٢]

(٤٥) إبراهيم بن علي الآمدي ، ابن الفراء .

فقيه ، قال الذهبي: كان يكذب في حكاياته (ميزان الاعتدال ٥٠ / ١)

[الحديث ٨٥ / ٩٤]

(٤٦) إبراهيم بن عمر بن أبان بن عثمان بن عفان .

ضعيف ، وأخرجه العقيلي (٥٨ / ١ ، ٥٩) عن آدم به ، ترجمته في الصغير

(٤) والكبير (٣٠٨ / ١) وانظر الميزان (٥٠ / ١) واللسان (٨٦ / ١) [تحفة

الأقوياء ، ص ١٢]



(٤٧) إبراهيم بن عمر بن أحمد بن إبراهيم البرمكي ، أبو إسحاق .
وكان صدوقاً ديناً ، توفي ٤٤٩ هـ (تاريخ بغداد ٦ / ١٣٩ ، النبلاء ١٧ / ٦٠٥ ،
٦٠٧) [الحديث ٤١ / ٢]

(٤٨) إبراهيم بن عمر بن سفينة ، لقبه: براهيه .
وثقه ابن عدي وحده ، وضعفه العقيلي وابن حبان والذهبي [شمائل ترمذي ،
ص ١٨٤] ضعيف (التحريض: ٢٢١) وضعفه الجمهور (أنوار الصحيفة ، ص
١٣٥)

(٤٩) إبراهيم بن عمرو بن حبيب .
مجهول ، لم أجد له ترجمة [الحديث ١٢ / ١٤ ، ١٥]
(٥٠) إبراهيم بن أبي عمرو الغفاري المدني (والد عبد الله بن إبراهيم)
مجهول . [مشكاة المصابيح ٢ / ٣٦٨]

(٥١) إبراهيم بن عيينة بن أبي عمران الهلالي .
حسن الحديث ، وثقه ابن حبان وابن معين والجمهور ، توفي سنة ١٩٧ هـ أو
١٩٩ هـ [مسائل محمد بن عثمان ابن أبي شيبة ص ٥٤]

(٥٢) إبراهيم بن محمد بن إبراهيم بن الحارث بن خالد التيمي .
ضعيف ، وأخرجه العقيلي [١ / ٦١] عن آدم به ، (١ / ٩٥) [تحفة الأفياء
ص ١٢]

(٥٣) إبراهيم بن محمد بن الحارث الفزاري ، أبو إسحاق رحمه الله
(المتوفى ١٨٩ هـ) ثقة حافظ إمام . [الحديث ٧٦ / ١٨]

(٥٤) إبراهيم بن محمد بن الحنفية .
ثقة ، صدوق عند الجمهور فهو حسن الحديث . [الحديث ٦١ / ٢٠]
لم يدرك علياً رضي الله عنه . [أنوار الصحيفة ص ٣٠٤]

٥٥) إبراهيم بن محمد بن خليل ، برهان الدين الحلبي .

حافظ محدث مشهور ، ترجمته في طبقات الحفاظ (١١٨٧) توفي ٨٤١هـ

رحمه الله [الفتح المبين ص ١٤]

٥٦) إبراهيم بن محمد بن السري بن سهل الزجاج البغدادي أبو

إسحاق (المتوفى ٣١١هـ)

الإمام النحوي في زمانه [سيرة رحمة للعالمين ص ٣٢]

٥٧) إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء .

مجهول ، قال الذهبي: فيه جهالة (ميزان الاعتدال ١ / ٦٤) [الحديث ٧٧ / ٣٠]

٥٨) إبراهيم بن محمد بن ميمون .

ضعيف ، وثقه ابن حبان وحده ، وضعفه أبو الفضل الحافظ وغيره ، وهو من

أجلاد الشيعة ، ترجمته في لسان الميزان (١ / ١٠٦) [مسائل محمد بن

عثمان ، ص ٤٨]

٥٩) إبراهيم بن محمد بن نقيرة .

ضعيف [الحديث ١٢ / ٤٦]

٦٠) إبراهيم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمي .

ضعيف جداً ، متروك ضعفه الجمهور ، وقال الحافظ ابن حجر: متروك

(التقريب: ٢٤١) وهذا القول يدل على أن الحافظ ابن حجر كان لا يقلد

الشافعي رحمه الله [الفتح المبين ، ص ١٤٨] توفي سنة ١٨٤هـ

٦١) إبراهيم بن محمد شامي .

قال العقيلي في الضعفاء (١ / ٦٥) : "إبراهيم بن محمد شامي مجهول ،

حديثه منكر غير محفوظ" . [أنوار الصحيفة ص ٤٧٢]

٦٢) إبراهيم بن المختار التميمي .



ضعيف عند الجمهور . [شمائل الترمذي ص ٢٢٥]

٦٣) إبراهيم بن مسلم الهجري العبدى ، أبو إسحاق .

ضعيف ، ضعفه الجمهور لكثرة وهمه ، وأخرجه العقيلي (١/ ٦٦) عن آدم به مختصرا وأخرج له ابن ماجه . [تحفة الأقويا ص ١٣]

٦٤) إبراهيم بن أبي معاوية محمد بن حازم الضير .

حسن الحديث ، روى عنه أبو داود وبقي بن مخلد وغيرهما ووثقه ابن معين وغيره ، توفي سنة ٢٣٦هـ [مسائل محمد بن عثمان ص ٣٩]

٦٥) إبراهيم بن مهاجر بن مسمار المدني .

ضعيف ، ضعفه الجمهور ، وأخرجه العقيلي (١/ ٦٦) عن آدم به .

[تحفة الأقويا ص ١٣]

٦٦) إبراهيم بن مهدي بن عبد الرحمن الأيلي (الأبلي)

قال الحافظ ابن حجر: كذبوه . . (تقريب: ٢٥٧) [الحديث ١٠٧/ ٣٦]

٦٧) إبراهيم بن ميمون الصنعاني المدني .

وثقه الإمام ابن معين والحافظ ابن حبان ، انظر الجرح والتعديل (٢/ ١٣٥ ،

١٣٦ وسنده صحيح) والثقات لابن حبان (٨/ ٦٤) وقال ابن حجر: ثقة

(تقريب: ٢٦٢) [الحديث ٩/ ٥٥]

٦٨) إبراهيم بن نجيح المكي .

لا يعرف . [الحديث ١٠٢/ ٧]

٦٩) إبراهيم بن النضر (البصير)

مجهول . [الحديث ١٥/ ٧٢]

٧٠) إبراهيم بن هاشم (والد محمد بن إبراهيم)

غير موثق . [الحديث ١٤/ ٢٤]

(٧١) إبراهيم بن هذبة ، أبو هذبة الفارسي ثم البصري .

كذاب ، انظر ميزان الاعتدال (٧١ / ١) [الحديث ٦١ / ٢٧]

(٧٢) إبراهيم بن هراسة ، أبو إسحاق الشيباني الكوفي .

متروك الحديث ، كذاب ، وأخرجه العقيلي (١ / ٦٩) عن آدم به .

[تحفة الأقويا ص ١٤]

(٧٣) إبراهيم بن هشام بن يحيى النسائي .

ضعيف ، مجروح . [مشكاة المصابيح ٣ / ١٣٣]

(٧٤) إبراهيم بن يحيى بن محمد بن عباد بن هانئ الشجري .

حسن الحديث . [مشكاة المصابيح ٣ / ٢٥]

(٧٥) إبراهيم بن يزيد الخرزى ، أبو إسماعيل المكي .

متروك الحديث ، وأخرجه العقيلي (١ / ٧٠) عن آدم به وأخرج له الترمذي

وابن ماجه . [تحفة الأقويا ص ١٦]

(٧٦) إبراهيم بن يزيد النخعي الكوفي .

ثقة مدلس ، روى له البخاري و مسلم والأربعة ووثقه ابن حبان وغيره ،

توفي سنة ٩٦ هـ و ٧١ هـ و ٩٨ هـ [مسائل محمد بن عثمان ص ٣٣]

وقال الحافظ ابن حجر: "الفتحية ، ثقة إلا أنه يرسل كثير" (التقريب: ٢٧٠)

ولد سنة ٤٦ هـ أو قريب منها بعد وفاة عبد الله بن مسعود رضي الله عنه

بكثير: توفي سنة ٩٦ هـ [الفتح المبين ص ٥١] ذكره في المدلسين : الهاللي

(ص ١٠٤) وأبو زرعة ، ابن العراقي (ص ٢) والسيوطي (ص ١) والحلبي

(١٤) والدميني (٧٦ / ٢) وابن طلعت في معجم المدلسين (ص ٧٣ - ٧٤)

ودافع عن تدليسه فأخطأ) وهو مدلس من المرتبة الثالثة [أيضاً]

فوائد: قال الإمام الشافعي رحمه الله: "وأصل قولنا أن إبراهيم لو روى عن



علي وعبد الله لم يقبل منه لأنه لم يلق واحدًا منهما. (كتاب الأم ١/ ١٠٥، باب من يخالف في رفع اليدين في الصلاة)

وقال الذهبي: استقر الأمر على أن إبراهيم حجة وأنه إذا أرسل عن ابن مسعود وغيره فليس ذلك بحجة (ميزان الاعتدال ١/ ٧٥ ت ٢٥٢) وزعم بعض الناس أن إبراهيم النخعي إذا أرسل من ابن مسعود رضي الله عنه فإنه كان يروي عن غير واحد من أصحابه- نقول: لم يصرح إبراهيم بأسمائهم فالرواية عن المجاهيل غير مقبولة. [أيضاً]

لم يسمع من عبد الله بن مسعود رضي الله عنه [أنوار الصحيفة ص ٦٨١] لم يسمع من أبي سعيد الخدري رضي الله عنه [أيضاً] لم يدرك عثمان رضي الله عنه ولد سنة ٤٦ هـ بعد شهادة عثمان رضي الله عنه [أيضاً ص ٧٥] تابعي صغير [الحديث ٧٩/ ٣٢]

(٧٧) إبراهيم بن يزيد بن شريك التيمي .

ثقة مدلس وهو من المرتبة الثالثة [الفتح المبين ص ٢١٢]

إبراهيم عن عائشة منقطع [الحديث ٩٨/ ٢]

(٧٨) إبراهيم بن اليسع التيمي المكي .

مجروح [الحديث ٣٦/ ١٩]

(٧٩) إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني السعدي .

ثقة [القول المتين ص ٥٣]

صحت اسناد کی اہمیت

امام یحییٰ بن سعید (متوفی: ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں: حدیث کی طرف مت دیکھو بلکہ اسناد کی طرف دیکھو کیونکہ اگر اسناد صحیح ہوئی تو ٹھیک و گرنہ اگر اسناد صحیح نہ ہو تو حدیث سے دھوکا نہ کھانا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ج ۲ ص ۱۴۰، وسندہ صحیح)

حافظ سعید الرحمن ہزاروی

اتباع سنت: قبولیت عمل کی لازمی شرط (قسط: ۱)

الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وأما بعد:

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ (الذریٰۃ: 56)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق کی جائے وگرنہ عبادت شرف قبولیت کے اعزاز سے محروم رہے گی۔

عبادت کی قبولیت کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی شرط (اصول) یہ ہے کہ وہ اخلاص والی ہو یعنی اس میں شرک، ریاکاری، دکھلاوا، نمود و نمائش کی ملاوٹ نہ ہو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔

عبادت کی قبولیت کے لیے دوسری اور اہم ترین شرط (اصول) یہ ہے کہ وہ عبادت ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو (سنت کے مطابق ہو)۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (سورۃ الکہف: 110)

”پس جس کو اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو اُسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ﴾ اُی ثوابہ و جزاءہ الصالح عمل صالح کی جزا اور ثواب (کا دار و مدار)۔

﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ وہو ما کان موافقا لشرع اللہ . (وہ عمل صالح) اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہو۔



﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ وهو الذي يراد به وجه الله وحده لا شريك له (وہ عمل صالح) جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی مطلوب ہو۔
 پھر لکھتے ہیں: وھذان رکنا العمل المتقبل لابد أن يكون خالصا لله صوابا
 على شريعة رسول الله ﷺ .

یہ دونوں (باتیں) عمل کی قبولیت کے ارکان ہیں۔
 ۱: وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی شریعت (طریقے) کے مطابق ہو۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۵۲)
 ارشادِ بانی ہے: ﴿وَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾
 اور انھوں نے کوئی عمل کیے ہوں گے ہم اس کی طرف بڑھ کر بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔

(سورة الفرقان: 23)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان ضائع ہونے والے اعمال کی وجہ اور سبب لکھتے ہیں:
 وَذَلِكَ لِأَنَّهَا فَقَدَتِ الشَّرْطَ الشَّرْعِيَّ، إِمَّا الْإِخْلَاصُ فِيهَا، وَإِمَّا الْمُتَابَعَةَ
 لِشَرْعِ اللَّهِ. فَكُلُّ عَمَلٍ لَا يَكُونُ خَالِصًا وَعَلَى الشَّرِيعَةِ الْمَرْضِيَّةِ، فَهُوَ بَاطِلٌ.
 عمل ضائع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شرعی شرط موجود نہیں یا تو اخلاص نہیں یا وہ اللہ کی
 شریعت کے مطابق نہیں۔ تو ہر وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے نہ ہو اور پسندیدہ شریعت یعنی
 طریقہ محمدیہ ﷺ کے مطابق نہ ہو، تو وہ باطل اور ضائع ہے۔ (ایضاً: ۴/۵۹۰)
 لہذا جو بھی عمل اخلاص سے خالی ہو یا نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق نہ ہو تو وہ
 عمل اور عبادت ضائع ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جب تک عبادت میں دونوں شرطیں موجود نہیں ہوگی یا دونوں میں
 سے ایک شرط موجود ہے لیکن دوسری موجود نہیں تو بھی عمل کی قبولیت نہیں ہوگی۔

اعمال و عبادت کی قبولیت کے لیے اخلاص بھی ضروری ہے اور نبی کریم ﷺ کے
 طریقے کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے۔

اعمال صالحہ کی قبولیت میں سنت کی اہمیت و قدر و منزلت

پہلی مثال: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ تَمَّ نَسْكُهُ، وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ.))

جس نے نماز (عید) کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہوگئی ہے اور اس نے مسلمانوں کی سنت کے مطابق عمل کیا۔ (صحیح البخاری: 5545)

فائدہ: قربانی کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اسے نماز عید کے بعد ذبح کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ، فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسْكِ فِي شَيْءٍ.)) جس نے (نماز عید) سے پہلے (قربانی) ذبح کی تو اس کی حیثیت صرف گوشت کی ہے جو اُس نے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کیا ہے وہ قربانی نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: 5545)

فائدہ: قربانی اس لیے نہیں ہوگی کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَعُدْ.)) جو نماز (عید) سے پہلے ذبح کرے وہ (قربانی) دوبارہ کرے۔ (صحیح البخاری: 5549)

سیدنا جندب بن سفیان الجبلی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَعُدْ مَكَانَهَا أُخْرَى.)) جس نے نماز (عید) سے پہلے ذبح کیا ہے وہ اس (قربانی) کی جگہ دوبارہ قربانی کر لے۔ (صحیح البخاری: 5562)

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا تھا (کیونکہ انھوں نے نماز عید سے پہلے قربانی کی تھی جو طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں تھی)

(صحیح البخاری: 5560)

محمد بن عباد کہتے ہیں: ”سَأَلْتُ جَابِرَ رضی اللہ عنہ: نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ. “ زاد غير أبي عاصم (أَنْ يَنْفَرِدَ بِصَوْمِ)



محمد بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے جمعے کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں (نبی کریم ﷺ نے جمعے کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے)

ابو عاصم کے علاوہ راویوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے: اکیلے جمعے والے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: 1984)

فائدہ: اکیلا جمعے والے دن نفلی روزہ رکھنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا:
(لَا يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ) کوئی بھی شخص (صرف) جمعے کے دن نہ رکھے سوائے اس کے کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھے۔
(صحیح البخاری: 1985)

فائدہ: اگر کوئی جمعے والے دن نفلی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو یا تو وہ جمعرات کو ساتھ روزہ رکھ لے یا جمعے کے ساتھ ہفتے کا روزہ رکھے۔

عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهِيَ صَائِمَةٌ، فَقَالَ: ((أَصُمْتَ أُمْسٍ؟))، قَالَتْ: لَا، قَالَ: ((تُرِيدِينَ أَنْ تَصُومِي غَدًا؟)) قَالَتْ: لَا، قَالَ: ((فَأُفْطِرِي)).

جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے وہ روزہ سے تھیں آپ ﷺ نے پوچھا: کیا گزشتہ دن آپ نے روزہ رکھا تھا تو کہنے لگی: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: (آئندہ) کل روزہ رکھنا ہے؟ تو کہنے لگی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر روزہ افطار (ختم) کر دو۔ (صحیح البخاری: 1986)

فائدہ: یہ حدیث مبارکہ بھی اس بات کی نہایت مضبوط دلیل ہے کہ عمل صالح کی ادائیگی میں نبی کریم ﷺ کی سنت کی کتنی اہمیت ہے کہ ایک دن پہلے (جمعرات) اور ایک دن بعد (ہفتہ) روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے اکیلے جمعے کے دن کے انفرادی روزے کو افطار کروادیا۔

لہذا روزہ ہو یا قربانی یا نماز غرضیکہ تمام عبادات میں جب تک آپ ﷺ کا طریقہ نہیں ہوگا تب تک وہ عمل صالح اور معتبر نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے آپ ﷺ نے ثواب کی غرض سے ہمیشہ روزے رکھنے والے کے متعلق ارشاد فرمایا: ((لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَدَ)) (صحیح البخاری: 1977)

”جو ہمیشہ روزہ رکھے اس کا کوئی روزہ نہیں ہے“ (کیونکہ (صوم الدھر) ہمیشہ لگا تا روزہ رکھنا آپ ﷺ کا طریقہ نہیں ہے۔)

تیسری مثال: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَصَلَّى، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَرَدَّ وَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ يُصَلِّي كَمَا صَلَّيْتُ، ثُمَّ جَاءَ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ (ثَلَاثًا) إلخ (صحیح البخاری: 757)

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک آدمی اور بھی مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر نبی کریم ﷺ کو سلام کہا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: واپس جاؤ (دوبارہ) نماز پڑھو کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی وہ آدمی واپس آیا اور اُس نے پہلے کی طرح پھر نماز پڑھی پھر آیا اور آپ ﷺ کو سلام کہا، آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح تین مرتبہ کہا۔

مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ اس حدیث پر تعلق لکھتے ہیں:

”آپ نے غور فرمایا اس حدیث میں جس نمازی کا ذکر ہے وہ رکوع اور سجود جلدی جلدی کرتا تھا تو مے اور جلسے کو اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر نہیں کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ہر بار اس کو فرمایا کہ نماز پھر پڑھ کیونکہ تو نے نماز پڑھی ہی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ رکوع سجود تو مے جلسے کا نماز میں اطمینان اور آرام سے پورا کرنا فرض ہے کیونکہ حضور انور ﷺ نے ان ارکان کی عدم طمانیت کو نماز کے باطل ہونے کا سبب قرار دیا۔“ (القول المقبول فی شرح تعلیق صلاة الرسول ص 52)

فائدہ: نماز کو اطمینان سے تسلی سے اور ٹھہر کر پڑھنا نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے اور جلدی



جلدی تیز تیز نماز پڑھنا نہ رکوع صحیح نہ سجدہ صحیح اور نہ ہی تو مے میں اطمینان سے کھڑا ہونا بلکہ رکوع سے تھوڑا سا اوپر ہو کر سجدے میں چلے جانا یا رکوع سے ہی بغیر سیدھا کھڑے ہونے کے سجدے میں چلے جانا یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اس لیے ایسی نماز پڑھنے والوں کو بار بار بار ان الفاظ نبوی ﷺ پر غور کرنا چاہیے کہ آخر اس آدمی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا کیوں حکم دیا: ”ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ“ آخر کوئی غلطی تھی تب ہی تو آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے پھر اس کی درخواست پر اس کو نماز کا طریقہ بھی سمجھایا، جس میں آپ ﷺ نے اطمینان سے نماز پڑھنے کی تعلیم خاص طور پر دی۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کو جب تعلیم دی تو یوں ارشاد فرمایا: ”ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا“ اور پھر تو رکوع کر حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کر لو، پھر رکوع سے کھڑے ہو تو بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کر لو، اور پھر سجدے سے اٹھ کر بیٹھو حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور پھر (دوسرا) سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کر لو اور پھر اپنی پوری نماز اسی طرح پڑھو۔ (صحیح البخاری: 793)

امام زید بن وہب تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہ رکوع پورا کرتا ہے اور نہ ہی سجدہ۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ”مَا صَلَّيْتَ وَلَوْ مَتَّ مَتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللَّهُ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَيْهَا.“ تو نے نماز نہیں پڑھی، اگر تو (اس حالت) میں مر گیا تو اس فطرت پر نہیں مرے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ (صحیح البخاری: 791)

یہ روایت بھی اس بات کی فیصلہ کن دلیل ہے کہ اگر نماز سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ قبول نہیں ہوتی ہے نماز وہی عند اللہ مقبول ہوگی جو نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوگی۔

مارکیٹ میں دستیاب ہے

رمضان المبارک فضائل و احکام

تالیف

مولانا عبد اللہ محدث مبارکپوری

تحقیق و تعلیق

حافظ ندیم ظہیر

مسائل رمضان کے موضوع پر ایک منفرد اور مدلل
کتاب جس میں ہر مسئلے کو باحوالہ بیان کیا گیا ہے۔

مستند اذکار اور محقق دُعائیں

تالیف

علامہ علی ہفلی: رَحِمَہُ اللہُ رَحِمَہُ
سَعْدِیَّہُ رَحِمَہُ اللہُ رَحِمَہُ

ترجمہ، تلخیص و تحقیق

حافظ ندیم ظہیر

صحیح حسن مسلم

ملنے کا پتا

لاہور ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37244973 - 37232369

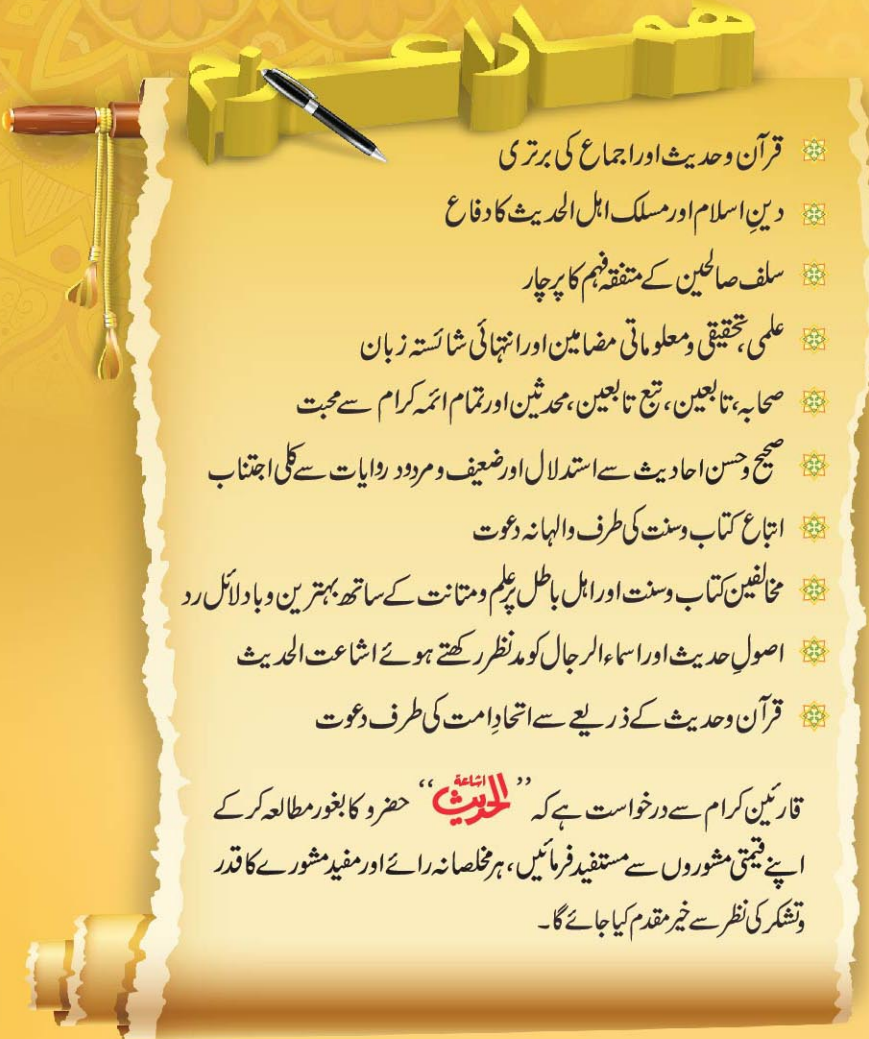
بیسمنٹ سمت بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد

041-2631204 - 2641204

مکتبہ اسلامیہ®

f /maktabaislamia1 www.maktabaislamia1pk.com

MONTHLY ISHA'AT AlHadith HAZRO



قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ”الحديث“ حضرت کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر خلاصہ رائے اور مفید مشورے کا قدر و تشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔

✉ ishaatulhadith@gmail.com

🌐 ishaatulhadith.com 📘 ishaatulhadith

☎ 0300-8663828

مکتبہ الحدیث

حضور، انک پاکستان